جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد

عالمِ ربّانی محدّثِ کبیر حضرۃ مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سیّد رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

جنوری ۱۹۹۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماھنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۷ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ جنوری ۱۹۹۹ء شمارہ : ۴

مدیر

سید محمود میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک	
پاکستان فی پرچہ ۱۲ روپے ---- سالانہ	۱۳۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، دبئی "	۵۰ ریال
بھارت، بنگلہ دیش ------ "	۶ امریکی ڈالر
امریکہ، افریقہ ------ "	۱۶ ڈالر
برطانیہ ------- "	۲۰ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور
کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۷۷۲۹۶۹۱-۷۷۲۴۲۷۳-۲۰۱۰۸۶
فیکس نمبر ۷۷۲۶۷۰۲-۴۲-۹۲

○

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ"، جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ---------- ۳

درسِ حدیث ---------- حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ---------- ۷

رمضان کے عشرۂ اخیرہ کے احکام ---------- حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب ---------- ۱۵

ایک اہم مکتوب ---------- ۲۳

شام کیوں مانگتے پھرتے ہو (نظم) ---------- سیّد امین گیلانی صاحب ---------- ۲۴

حدیث غزوۂ قسطنطنیہ ---------- شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ ---------- ۲۵

جاوید احمد غامدی کے افکار و نظریات ---------- حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ---------- ۴۵

حاصلِ مطالعہ ---------- حضرت مولانا نعیم الدین صاحب ---------- ۵۵

اخبار الجامعہ ---------- محمد عابد ---------- ۶۳

بزمِ قارئین ---------- ۶۴

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہٗ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم اما بعد

بارہ دسمبر کی صبح اخبار پر نظر دوڑائی تو اس خبر پر نظریں جم گئیں ۔ "کراچی میں امریکی سفارتکاروں سمیت ۳۰ افراد کا قاتل صولت مرزا گرفتار ایک ایس پی کے پانچ رشتہ داروں، ایک ڈی ایس پی، ریٹائرڈ میجر طور، لانس نائیک، رینجرز کے ڈی ایس پی اور کے ای ایس ای کے ایم ڈی کے قتل کا بھی اعتراف الطاف گروپ کا مشن ہے کہ پاکستان توڑا جائے اور کراچی کو علیحدہ سٹیٹ بنا کر بھارت سے کنٹرول کیا جائے۔ الطاف حسین مسئلہ کشمیر سے توجہ ہٹانے کے لیے دہشت گردی کراتے ہیں، ڈی آئی جی کی پریس کانفرنس میں ملزم کو پیش کیا گیا۔ تشدد نہیں ہوا، صحافیوں سے گفتگو"

اسی اخبار میں دوسری خبر یہ تھی "جرنیل اللہ رسول کے واسطے کراچی کا دورہ کریں مسلح افواج کو مہاجروں کے خلاف نواز شریف کے مذموم مقاصد میں استعمال نہ ہونے دیں۔ الطاف حسین"

یہ خوفناک خبریں پڑھ کر بہت دیر تو کچھ سمجھ نہ آیا اور ذہن یہ سوچتا رہا کہ اس سے قبل پی پی کے دورِ حکومت میں جب ایم کیو ایم سے پی پی کا اختلاف بڑھا تو اسی قسم کے الزامات لگا کر کراچی اور حیدر آباد میں سخت کارروائی کی گئی، مگر اس وقت کے مسلم لیگ کے قائد جناب نواز شریف صاحب نے اس کارروائی کی مخالفت کی اور اب اسی مسلم لیگ کے قائد جناب وزیر اعظم نواز شریف صاحب نے اپنے دوسرے دَورِ اقتدار میں ایم کیو ایم کے ساتھ مل کر سندھ میں حکومت بھی کی اور ملک میں

سیاست بھی مگر چند ماہ سے ایم کیو ایم سے شدید اختلافات جواب محاذ آرائی کی شکل اختیار کر گئے تو موجودہ وزیر اعظم ان کے ساتھ وہی کچھ کر رہے ہیں جو اس سے قبل پی پی کے دَور میں اس وقت کی وزیرِ اعظم بے نظیر بھٹو کر چکی ہیں لیکن وہ اس کارروائی میں حکومت کا ساتھ دیتی نظر نہیں آتیں بلکہ ان کی طرف سے تنقید ہی ہو رہی ہے اس کا مطلب یہ ہُوا کہ عملاً دونوں ہی اپنے دَورِ اقتدار کی پالیسیوں کو غلط قرار دے رہے ہیں۔ یہی حال اپوزیشن کے دَور کی پالیسیوں کا ہے ہر ایک اپنے دَورِ اقتدار میں جس بات کو دُرست قرار دیتا ہے۔ دوسرے کے دورِ اقتدار میں اس کو درُست تسلیم کرنے کے لیے تیّار نہیں ایسی صورتِ حال میں کراچی کے حالات کا مستقل اور پائیدار حال ممکن ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ ایم کیو ایم پر لگائے گئے الزامات اگر دُرست ہیں تو ملک کی ان دو بڑی پارٹیوں نے اس سے کسی بھی درجہ میں سیاسی الحاق کیوں کیا اور اگر یہ الزامات غلط ہیں تو کسی بھی سیاسی جماعت پر اس طرح کے الزامات لگانا بجائے خود ایک سنگین جرم ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں بڑی پارٹیوں کو ملکی اور قومی مفادات سے زیادہ اپنے ذاتی، علاقائی اور پارٹی کے مفادات عزیز ہیں ہمارا مقصد بلاوجہ ایم کیو ایم کا دفاع کرنا نہیں ہے بلکہ اس اہم مسئلہ پر ان دونوں بڑی پارٹیوں کے دوہرے معیار کو اجاگر کرنا ہے کہ اصل میں یہی چیز ملک و قوم کے لیے تباہ کن ہے ممکن ہے کہ ایم کیو ایم پر لگائے گئے الزامات دُرست ہوں اور جتنا کچھ اس کے خلاف ظاہر کیا جا رہا ہے وہ صحیح ہو بلکہ گہرائی میں جانے کی صُورت میں اور بھی زیادہ سنگین ہو، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ با اختیار قومی ادارے ان معاملات کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کریں اور اس بات کی بھی تحقیقات کریں کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کے نتیجہ میں یہ صُورت حال پیدا ہوئی یا پیدا کی گئی اور ان اسباب کا تدارک کیا جائے تاکہ مسئلہ کا مستقل اور پائیدار حل ہو کر ملک میں امن و سکون کی فضا قائم ہو جائے۔

پاکستان کے مطابق ۳۰ شعبان جبکہ عراق میں ۲ رمضان المبارک ہے۔ گزشتہ تین روز سے امریکہ اور برطانیہ ایک مسلم ملک عراق پر مسلسل میزائل برسا رہے ہیں اور اُن کے ہوائی جہازوں میں بیٹھے عیسائی پائلٹ بے خوف و خطر نہتے اور مظلوم عراقی مُسلمانوں پر بموں کی بارش کر رہے ہیں۔ خود عیسائیوں کا اپنا نشریاتی ادارہ اس ظالمانہ کارروائی پر یہ کہے بغیر نہ رہ سکا " درد کا حد سے گزر جانا ہے دوا ہو جانا "۔ اگرچہ یہ تبصرہ

بھی سیاسی اشک فشانی یا اشک شوئی سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ لہٰذا ان کے تبصرہ سے ہمیں کچھ سروکار نہ ہونا چاہیے۔ المیہ تو ان مسلم ممالک کے خاموش تماشائی ہونے کا ہے جو عراق کے چاروں طرف آباد ہیں اور یہود و نصاریٰ سے مرعوب ہیں بلکہ ان سے محبت رکھتے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب تک قرآنی ہدایت کو نظر انداز کیا جاتا رہے گا۔ مسلمان کفار کے ہاتھوں اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ذلت و رسوائی اٹھاتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے دشمنی رکھو دوستی ہرگز نہ رکھو مگر مسلمان اُن کے خوشامدی دوست بنے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک میں ہے۔

"اے ایمان والو نہ بناؤ بھیدی کسی (یہودی عیسائی منافق اور مشرک) کو اپنوں کے سوا۔ وہ کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھتے تمہاری بربادی میں تم جس قدر بھی تکلیف میں رہو اُن کی خوشی اسی میں ہے۔ ظاہر ہو جاتا ہے تم سے بغض (عداوت) اُن کی زبان سے اور جو عداوت اُن کے سینوں میں چھپی ہے اس سے بہت زیادہ ہے (جو ظاہر کرتے ہیں) ہم نے بتادیں تم کو نشانیاں اگر تم کو عقل ہے سُن لو تم لوگ ان سے دوستی رکھتے ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں ہیں اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو (جبکہ وہ تمہارے نبی اور کتاب بلکہ اپنی کتابوں کو بھی نہیں مانتے) اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر اُنگلیاں غصے سے آپ کہہ دیں مرو تم اپنے غصہ میں اللہ کو خوب معلوم ہیں دل کی باتیں اگر تم کو ملے کچھ بھلائی تو بُری لگتی ہے اُن کو اور اگر تم پر پہنچے کوئی بُرائی تو خوش ہوں اُس سے اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو کچھ نہ بگڑیگا تمہارا اُن کے فریب سے بے شک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے۔" پ۴ ع۳

قرآن پاک میں یہودیوں اور عیسائیوں کی جو فطرت بیان کی گئی ہے وہ کبھی نہیں بدل سکتی مسلمانوں کے ساتھ اُن کے سیاسی اقتصادی فوجی ثقافتی روابط خالص صلیبی اور مذہبی تعصب

کی بُنیاد پر ہیں مگر مُسلمان ان پہ اعتماد کرتا ہے جب تک مُسلمانوں میں مذہبی غیرت اور جذبۂ جہاد بیدار نہیں ہوتا اور وہ اپنے جان مال کی اللہ کی راہ میں قربان نہیں کرتا ہرگز ہرگز اپنی کھوئی ہوئی عزّت واپس نہیں لے سکتا کفار مُسلمانوں کے ساتھ وہی کچھ کر رہے ہیں جو اُن کو کرنا چاہیے مگر افسوس ان ممالک اسلامیہ پر ہے جو دانستہ یا نادانستہ ایک مسلم ملک کو یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاتھوں پٹوا رہے ہیں بالخصوص سعودی عرب، مصر، ترکی اور پاکستان جو بڑے مسلم ممالک کی حیثیت رکھتے ہوئے بھی صرف مصلحت پر مبنی ہلکے پھلکے مذمتی بیانات پہ اکتفا کرتے ہیں اور یہ بات بھولے ہوئے ہیں کہ آج اگر عراق کے ساتھ یہ کچھ ہو رہا ہے تو کل ہمارے ساتھ بھی یقیناً یہی کچھ ہو سکتا ہے۔

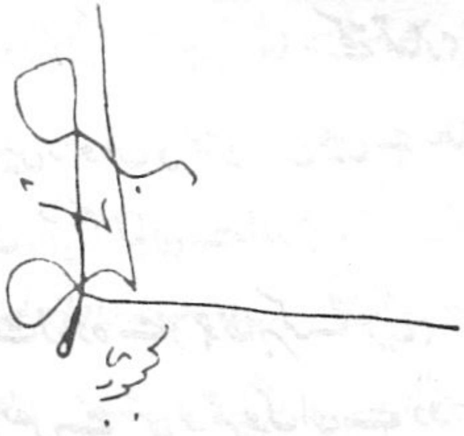

اعلان

اُن حضرات کو ایک سال کے لیے مفت رسالہ جاری کیا جائے گا جو رسالہ کے سات خریدار بنائیں گے۔

(ادارہ)

مولای صل وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درسِ حدیث

حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

ترتیب و تزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب مدظلہم

کیسٹ نمبر ۲۳ سائیڈ بی ۱۲ اگست ۱۹۸۳ء

الحمدللہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا ومولانا محمّد وّ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

حضرت آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تمہارے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی مشابہت ہے کہ اُن سے یہودیوں نے بُغض وعداوت رکھی حتّٰی کہ اُن کی والدہ پر بھی الزام لگایا اور عیسائیوں نے اُن سے محبّت کا دعوٰی کیا حتّٰی کہ اُنھوں نے اُس درجہ پہنچادیا اُن کو جو درجہ اُن کا نہیں تھا اُنہیں خُدا کا بیٹا کہنے لگے۔ گویا خُدا ماننے لگے، اسی طرح فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں بھی دو قسم کے آدمی ہوں گے۔ ایک وہ جو مجھ سے بہت محبّت رکھتا ہو یا دعوٰی کرتا ہو محبّت کا اور میرے بارے میں ایسی تعریفی باتیں کہے جو مجھ میں نہیں ہیں اور دوسری قسم آدمیوں کی وہ ہے کہ جو مُبغض ہوں گے۔ بغض رکھتے ہوں گے۔ اُن کو میرا بغض اس بات پر اُبھارتا ہے کہ میرے اُوپر وہ الزام لگائیں' یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے۔

ایک طبقہ کا تو میں نے (گزشتہ درس میں) ذکر کر دیا جو شیعہ ہے کہ اُن کی بنیاد عبداللہ بن سبا ہے اور دوسرا طبقہ اس کے مدمقابل پیدا ہُوا وہ طبقہ خوارج کا کہلاتا ہے اُن کا معاملہ ایسے ہُوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جب دَورِ خلافت شروع ہُوا ہے تو بیعت ہونے والے لوگوں میں سب سے پہلے اہلِ بدر تھے۔ اہلِ مدینہ تھے اور اِنہی کے کہنے پر آپ نے خلافت قبول کی بلکہ فرمایا کہ یہ حق اہلِ بدر

کا ہے وہ جسے منتخب کریں وہ خلیفہ ہوگا۔ پھر بیعت ہونے والوں میں وہ باغی بھی تھے جنھوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ شہید کرنے میں دو کارروائیاں ہوئی تھیں ایک تو وہ لوگ جو چڑھ کر آئے تھے باغی جمع ہوئے اور ایک یہ کہ اُن میں سے چند افراد نے سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور اُن کی شہادت کا جُرم کیا۔ اُنھیں قتل کرنے کا جُرم عظیم کیا تو ایسے لوگ جو چڑھائی کرکر آئے تھے وہ بھی باغی ہیں مگر قاتل نہیں اُن میں سے قاتل وہ ہیں جنھوں نے اندر جاکر اس جرم کا ارتکاب کیا اُن میں جن لوگوں کے نام آتے ہیں۔ ہماری تاریخ کی کتابوں میں کہ فلاں آدمی تھا فلاں آدمی تھا۔ وہ سب کے سب وہیں مارے بھی گئے۔ اُن سب کے بارے میں یہی ہے کہ انھوں نے فلاں کو مارا فلاں نے اُنھیں مارا پھر اُنھوں نے اُس کو مارا اُس نے اُن کو مارا اس طرح سے وہ برابر ہوگئے بلکہ ایسے لوگ جو اس کے قریب قریب تھے خود جُرم نہیں کیا تھا اُن کی طرف نسبت ہوئی کہ وہ اِس جرم میں شامل تھے ایسے لوگ بھی سب کے سب مارے گئے تو اُن کے پاس ارادۂ قتل سے جانے والوں میں محمد بن ابی بکر کا نام بھی آتا ہے جو ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے اور اُن کی والدہ سے شادی کر لی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے بھی ہو گئے تو اُن کو وجاہت جو حاصل تھی وہ دونوں اعتبار سے تھی زیادہ اس وجہ سے تھی کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ وہ پہنچے اندر اور اُنھوں نے کچھ اہانت کی اس پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک جملہ فرمایا اور وہ وہاں سے شرما کر واپس آگئے۔

سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایک اہلیہ کا نام نائلہ ہے۔ تلوار کا جب وار کیا ہے قاتلین نے تو اُن کی اُنگلیاں کٹ گئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے ہیں تو سب سے پہلے وہاں گئے اور اُن سے بیان لیا کہ کون کون قاتلین تھے جو اُنھوں نے بیان دیا تو اُن میں محمد بن ابی بکر کا نام بھی آیا یہ صحابی نہیں تابعی ہیں تو محمد بن ابی بکر نے جواب دیا کہ مَیں آیا تھا اور یہ ٹھیک ہے اسی ارادہ سے آیا تھا، لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جب بات ہوئی میری تو اُنھوں نے ایک بات فرمائی تو مَیں پلٹ گیا اور پھر مَیں نہیں آیا وہ پلٹا بھی ہے اور دوسری روایتوں میں ہے کہ اُس نے دوسروں کو جاتے جاتے روکا بھی ہے منع کرنے کا روکنے کا اشارہ بھی کیا ہے لیکن جو دیوانے ہو چکے ہیں وہ پاگل ہوتے ہیں وہ نہیں رُکتے تو نائلہ بیان دیتی ہیں کہ یہ ٹھیک ہے صَدَقَ

وَلٰكِنَّهٗ اَدْخَلَهُمَا اُس نے یہ بات تو صحیح کہی ہے کہ وہ چلا گیا تھا، لیکن اُن آدمیوں کو جنھوں نے مارا ہے اُن کو یہ لایا تھا، راستہ کہ کونسا راستہ گھر میں جاتا ہے؟ وہ راستہ اِنھی نے بتایا وَلٰكِنَّهٗ اَدْخَلَهُمَا، تو اَب جب اُنھوں نے یہ کہا کہ صَدَقَ یہ ٹھیک کہتے ہیں تو ختم ہو گئی بات وہ قاتلین عثمان میں نہیں رہے نہ اُنہیں شمار کیا جا سکتا ہے قانونی طور پر اور نہ ویسے عنداللہ بھی نہیں کیونکہ وہ نکل گئے تھے، مگر آپ جو کتابوں میں نام پڑھیں گے تو کتابوں میں آئے گا نام اور جب مزید پڑھیں گے تو اِس طرح ختم بھی ہوجائے گا نکل بھی جائے گا اُن کا نام وہ جو دو آدمی تھے جنھوں نے ارتکاب کیا قتل کیا حملہ کیا ہے۔ شہید کیا ہے وہ دونوں تو مارے گئے وہ دونوں ہی کیا اور بھی مارے گئے اِن کے علاوہ اور صحابہ کرامؓ میں بھی شہید ہوئے ایک صحابی تھے وہ گئے تھے حج کو اور فوراً واپس آگئے۔ وہ واپس آتے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے رکاوٹ بنے ہیں۔ قاتلین کے حملہ میں رکاوٹ ڈالنی چاہی ہے مگر وہ شہید ہو گئے۔ اور جب وہ شہید ہوئے ہیں تو جوان کو شہید کرنے والا تھا وہ روتا تھا کہ مَیں نے مارا ہے اُن کو اور اُس نے خواب دیکھا تھا اس طرح کا کہ فلاں کو تُو شہید کرے گا اور اُس کے بدلہ میں تو جہنّم میں جائے گا یہ خواب بھی اُس نے دیکھا تھا اب وہ روتا اس لیے تھا اور کہتا تھا کہ مجھے پتہ نہیں تھا کہ مَیں اُنھیں مار رہا ہوں جسے مَیں مار رہا ہوں اُس کا نام یہی ہے جس کو مَیں نے خواب میں دیکھا تھا۔ بہرحال یہ گناہ جو ہُوا ہے اُس سے وہ اُس کی بدنیتی ہی کی وجہ سے ہُوا ہے۔ خُدا کے نزدیک وہ بدنیت ہی تھا۔ تب ہی تو اُس سے یہ ارتکاب ہُوا ہے اور جب خواب دیکھ لیا تھا تو اُس کے فرائض میں تھا کہ اِس لڑائی میں نہ آتا، رُکنا چاہیے تھا اُس کو نہیں رُکا، گناہ ہُوا تو یہ نہیں کہ فقط حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی شہید ہُوئے ہیں اُس وقت بلکہ ایک صحابی بھی ہیں اور دوسرے حضرات بھی ہیں جو شہید ہُوئے اور زخمی بھی ہُوئے، زخمی ہونے والوں میں مروان بھی تھا یہ بھی وہیں تھا۔ گھر میں ہی تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگر نہ روکتے تو لڑائی زیادہ ہوتی اور ممکن تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بچ جاتے اور یہ بھی ممکن تھا کہ زیادہ لوگ مارے جاتے، لیکن بچنا اُن کا بالآخر، ممکن نہیں تھا اُنھیں پتہ تھا کہ مَیں نہیں بچوں گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے وہ سُن چکے تھے اس لیے اُنھوں نے فرمایا کہ میرا جو غلام ہتھیار پھینک دے وہ

آزاد ہے۔ غلاموں کو اُنھوں نے خوشخبری دی کہ جو ہتھیار پھینک دے گا وہ آزاد ہے میں اُسے آزاد کر دوں گا اور جو میرا کہنا مانتا ہے اُس کو مَیں یہ حُکماً کہتا ہوں کہ وہ ہتھیار پھینک دے اور بند ہو جاؤ ایک طرف کمروں میں، اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے سب تو شہید کرنے کے لیے پُورا مجمع نہیں رہا تھا وہاں بلکہ چند آدمی بھی مار سکتے تھے۔ کیونکہ کوئی رہا ہی نہیں دفاع کرنے والا فقط وہ خود ہی تھے۔ تلاوت فرما رہے تھے۔ روزے سے بھی تھے تو پھر جنھوں نے مارا وہ بعد میں تھے تو جب نائلہ اور ازواج جو تھیں اُن کی دوسری وہ آئیں اور اُنھوں نے رکاوٹ کی اور ایک شور ہُوا تو پھر یہ لوگ آئے اور اُنھوں نے ہتھیار استعمال کیا اور اُن قاتلین میں سے ایک ایک مارا گیا۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دستِ مُبارک پہ جب اِن لوگوں نے بیعت کی تو پھر اُن کا نام لے کر یُوں کہا گیا کہ قاتلینِ عثمانؓ حضرت علیؓ سے بیعت ہو گئے اور یہ سیاستاً کہا گیا۔ جبکہ مسئلہ تو سب جانتے تھے یا ممکن ہے کہ نہ بھی جانتے ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جو طے رفتہ رفتہ ہُوئے ہیں ایک دم طے بھی نہیں ہُوئے کہ جو ایسے ہجوم میں صُورت پیش آجائے تو کیا ہو گا؟

تو اُس میں سارے صحابہ کرامؓ کا بعد میں اتّفاق ہُوا کہ ایسی صُورت میں باغیوں سے بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ اُن میں سے بھی مارے جاتے ہیں۔ جب وہ بغاوت کرتے ہوتے ہیں لڑائی ہوتی ہے اُن میں بھی مارے جاتے ہیں تو پھر بعد میں بدلہ نہیں لیا جانا سزا دے دی جائے کچھ اُن کو معافی نامہ وہ لکھتے ہیں جب مغلوب ہو جائیں تو وہ ذلّت ہو جاتی ہے۔ یہ بھی کافی ہوتی ہے ہتھیار چھین لیے جاتے ہیں۔ ہتھیار کے بغیر رہتے ہیں وہ لوگ اس طرح کی چیزیں کی جاتی رہی ہیں اسلام میں باغیوں کے ساتھ اور یہی مسائل طے ہُوئے آہستہ آہستہ، کچھ صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دَور میں اور جو پوشیدہ رہ گئے یا نہ طے ہو سکے وہ مزید حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جیسے طے کر دیا، وُہی سب کا مسلک ہے۔ چاروں ائمہ کرام کا مسلک اب دُنیا میں اسی طرح ہے آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ الزام چلتا رہا اور اس سے وہ سیاسی فائدہ اُٹھاتے رہے لیکن آپ یہ دیکھیے کہ جو قوم بھی ہو اگر ایک دفعہ کو بغاوت اُس میں آجائے تو پھر کنٹرول نہیں ہوتا۔ پھر اُس کو سنبھالنا کسی کے بس کا نہیں ہوتا۔ موت اُن کے لیے کوئی چیز نہیں رہتی، تو جب موت سے نہ ڈرے

کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی کی نہیں سننی حکم نہیں ماننا، بغاوت ایک ایسی حد کو پہنچ جاتی ہے کہ پھر وہ مانتے نہیں تو ایسے ہُوا کہ ایک لڑائی انہی باغیوں کی وجہ سے حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے ہُوئی بصرہ میں جسے جنگِ جمل کہا جاتا ہے اور لڑائی کی بات کوئی نہیں رہی تھی وہاں۔ وہاں ساری باتیں تقریباً طے ہوگئیں بالکل ہی طے ہوچکی تھیں۔ اچانک لڑائی ہوگئی رات کے آخری حصے میں پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کس نے حملہ کیا یہ سمجھے اُنھوں نے کیا، وہ سمجھے اِنھوں نے کیا ہے۔ حضرت زبیرؓ فرماتے تھے کہ مَیں جانتا تھا کہ یہ حملہ ضرور کریں گے یہ بغیر خونریزی کے باز نہیں آئیں گے، اور حضرت علیؓ نے بھی فرمایا کہ یہ لوگ خونریزی کر کے چھوڑیں گے۔ ان کے دماغوں میں آئی ہوئی ہے اور عین حالتِ جنگ میں حضرت زبیرؓ سے ملے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور وہ رُک گئے۔ لڑائی سے ہاتھ روک لیا اُنھوں نے واپس جارہے تھے ان باغیوں نے پھر اُن کو شہید کر دیا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والا مروان ہے اور عجیب بات کہ مروان بھی حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھا اور حضرت طلحہؓ بھی حضرت عائشہ کے ساتھ تھے مگر وہ لشکر میں کھڑے ہُوئے تھے اور موقع پا کر اُس نے تیر مارا وجہ اُس کی کیا تھی؟ مروان ایک جذباتی اور جوشیلا آدمی تھا اس کے دماغ میں یہ تھا کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا جارہا تھا اور باغی آئے ہُوئے تھے تو اِن سے ہم نے کہلایا ہے کہ آؤ مدد کے لیے انہوں نے انکار کر دیا کہ مَیں نہیں آؤں گا تو یہ قاتلین میں ہیں درحقیقت اور اَب جو ہمارے ساتھ ہُوئے ہیں تو یہ ایسے ہی ہُوا ہے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اُس کے دماغ میں یہ بات تھی اور حقیقت یہ نہیں تھی بلکہ حقیقت یہ تھی کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے تصوّر میں نہیں تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوجائیں گے۔ اُن کی شہادت کے بعد اِن کو بہت سخت صدمہ ہُوا اور جھٹکا لگا تو قاتلینِ عثمان سے انتقام کی انھوں نے سوچی اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے مقابل ہُوئے تو اُس وقت اُس کو موقع ملا اور پھر ابان بن عثمانؓ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے کہتا ہے کہ لَا اَطْلُبُ ثَارِیْ بَعْدَ الْیَوْمِ میں آج کے بعد اپنے خون کا بدلہ نہیں مانگوں گا۔ نہیں چاہوں گا۔ کیونکہ قاتل تو میں نے مار ہی دیا اور مروان کی اولاد جو تھی اُن کے دماغوں میں بھی یہی تھا یہ عبدالملک بن مروان اور اُس کا بیٹا اور اُس کے بیٹے کے دَور میں حضرت طلحہؓ کے بیٹے پہنچے ہیں وہاں وہ کہتا ہے کہ مَیں جب بھی دیکھتا ہوں تمہیں

آدمی تو پھر وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتا یہ حالت ہو جاتی ہے آپ کو پتہ ہے بنگلہ دیش میں یہ کمزور قسم کے لوگ بنگالی اُنھوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ بس دُشمنی دماغ میں بیٹھ گئی۔ اُن کے بچّوں نے بھی ہتھیار چلائے ہیں۔ نہ ہماری فوج کام آسکی نہ زور کام آسکا نہ جسمانی صحتیں کام آسکیں کوئی چیز کام نہیں آئی۔ پروپیگنڈا بھی سب ہوا بدنامی بھی ہوتی ہے ملک بھی گیا اور پوری قوم ایسے ہوگئی کہ اگر اُنھیں شیخ مجیب بھی سمجھاتا یہاں سے جاکر تو نہیں مانتی اور اَب دیکھ لیں یہ ایران میں ہوا ہے اور آج تک وہ نہیں سنبھل رہے ہر آدمی کے ہاتھ میں ہتھیار آگئے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی عمر کے لڑکے اور جس کے بارے میں اُنھیں شُبہہ ہوا ہے کہ یہ شاہ سے تعلق رکھتا ہے گولی ماردی۔ شاہ سے تعلّق رکھنے والے کے بارے میں یہ ہے، اَب خمینی صاحب نے یہ کیا کہ عراق سے لڑائی چھیڑ لی اُس طرف اُن لوگوں کی توجّہ ہوگئی تو اندر کی خوخانہ جنگی ہے وہ رُک گئی۔ ورنہ اندر کی جو خانہ جنگی ہے وہ کسی طرح رُکنے میں نہیں آرہی تھی وہ لوگ ہر کسی پر جس پر شبہہ ہوتا تھا کہ یہ شاہ کا ہے یا امریکی ذہن کا ہے مار دیتے تھے یہ چیز نہیں رُک رہی تھی، لیکن اب وہ سارے کے سارے محاذِ جنگ کی طرف گئے ہوئے ہیں اَب اُن کے ذہن جو ہیں وہ بیرونی دُشمن سے مدافعت کے لیے تیّار ہو رہے ہیں۔ پہلے یہ تیّار نہیں تھے اور اندرونی جو عداوت تھی اور دُشمنی کا بدلہ لینا تھا اُس میں کمی آگئی، بہت کم ایسے قصّے ہیں۔ اَب کسی کسی دن خبر آجاتی ہے کہ اتنے آدمی مار دیے گئے۔ دس مار دیے بارہ مار دیے سو مار دیے۔ خلق یا اور دوسری پارٹیوں کے جو ہیں وہاں تو دا پارٹی ہے کون کون سی ہے۔ رُوسی اب مارنے لگے ہیں روسیوں کو بھی مارا ہے اُنھوں نے ورنہ پہلے وہ امریکی یا شاہ کا آدمی جو ہوتا تھا اُس کو مارتے تھے تو یہ دماغوں میں بغاوت بس گئی۔ وہ اُن کی فطرت جیسے بن گئی اُس کو کنٹرول کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے تو اسی لیے خانہ جنگی جو ہے یہ بڑا نقصان دیتی ہے۔ بیرونی دُشمن سے زیادہ نقصان ہوجاتا ہے خانہ جنگی میں۔ اس میں کوئی محفوظ بھی نہیں رہتا اور مطمئن بھی نہیں رہ سکتا، ایک دوسرے کا دُشمن ہو جاتا ہے۔ بازار گیا سودا لینے اور مارا گیا۔ پتہ ہی نہیں چلا کہ کس نے مار دیا کیوں مار دیا ؟ کیا ہوگیا ؟ ذاتی دُشمنیاں بھی نکلتی ہیں خاندانی بھی نکلتی ہیں آڑ جو ہو جاتی ہے تو ایسے دماغ کے باغی جو تھے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آگئے اور اُن کے دماغ میں سازش بھی تھی اور بغاوت بھی تھی دو چیز بن جمع تھیں بغاوت

میرے دِل میں آتا ہے کہ تم سب کو مروا دوں لَوْ لَا اَنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَخْبَرَنِیْ اگر مجھے امیر المومنین عبدالملک نے یہ نہ بتایا ہوتا۔ یعنی میرے باپ نے بتایا تھا کہ مروان نے یعنی میرے دادا نے آپ سے بدلہ لے لیا تھا اور حضرت طلحہؓ کو مار دیا تھا اگر یہ خبر مجھے نہ پہنچی ہوتی تو میرے جی میں یہ آتا تھا کہ تم سب کو مار دوں جتنی بھی حضرت طلحہؓ کی اولاد ہے تو ان لوگوں کے دماغوں میں ایک شاخ ایسی بھی پیدا ہوتی ذہنی گروپ سمجھ لیجیے جس کے دماغ میں یہ تھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ خود قتلِ عثمان میں شریک تھے۔ گویا ایک کھچڑی پکی ہوئی تھی اور جب ایسی صورت ہو جائے اور اسی کا نام ہے فتنہ تو اس میں سمجھ میں نہیں آتا آدمی کو کہ کون سی بات صحیح ہے کون سی غلط ہے یہ دَورِ فتنہ کہلاتا ہے تو حضرت طلحہؓ کو اِس نے شہید کیا۔

ایک قیمتی آدمی کو جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور کہتے ہیں کہ عُدَّ مِنْ مُوْبِقَاتِہٖ مروان کے مُہلکات اعمال میں شمار ہوا ہے اُس کا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنا یہاں سے آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) گئے ہیں جنگِ صفین کے لیے وہاں پہلے کافی عرصہ تک تو جھڑپ ہوتی رہی ہے پھر ایک دفعہ سوچا کہ اکٹھی لڑائی لڑ لی جائے اِدھر ہو معاملہ یا اُدھر تو وہ جو لڑائی ہوتی ہے۔ پھر شدید لڑائی ہوئی ہے ایک دن یا دو دن جاری رہی ہے۔ بہرحال رات بھر رہی ہے لڑائی، اگلے دن فتح قریب ہوئی تو اُنھوں نے قرآن پاک کا واسطہ دیا، قرآن پاک کا واسطہ دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات نے اُس کو مان لیا، جب مان لیا تو اِن کے دو گروپ ہو گئے ایک گروپ خوارج کا تھا، خوارج کی پیدائش اس طرح ہوئی ہے کہ لشکر کے تقریباً دس ہزار آدمی الگ ہو گئے اور اُنھوں نے کہا کہ ہم اس فیصلے کو نہیں مانتے کہ صلح کی گفتگو کی جائے۔ اور اُنھوں نے کہا کہ آپ نے خُدا کا حُکم چھوڑ دیا، خدا کا حُکم یہ ہے کہ بس جو لڑائی لڑ رہے ہو وہ لڑتے رہو پھر یا کامیاب ہو جاؤ گے یا مارے جاؤ گے اور کامیابی قریب ہی تھی تو آپ نے جو قدرتی طور پر جو فیصلہ ہونے والا تھا اُسے ترک کیا لہٰذا ہم آپ کے خلاف ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تو پہلے ہی تھے اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی خلاف ہو گئے اُس میں وہ لوگ شامل تھے جو حضرت عثمانؓ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ باغی تھے وہی گروپ تھا وہی عناصر تھے وہی باغیانہ دماغ تھا پھر باغیانہ دماغ جب ہو جائے تو اُس کے اثرات آدمی کے مسائل پر بھی پڑتے ہیں شرعی مسائل پر بھی

پڑتے ہیں تو شرعی مسائل پر بھی اِن کے اثرات پڑے وہ تھے متشددانہ کہ جو آدمی گناہ کا ارتکاب کرلے وہ کافر ہوجاتا ہے اسلام سے خارج ہوجاتا ہے یہ اُن کا نظریہ ہوگیا تھا۔ اس نظریہ کی وجہ سے بھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کھڑے ہونے کی وجہ سے انہیں خوارج کہا گیا۔ کیونکہ خروج کے معنی ہیں بغاوت کے یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باغی تھے۔ اب اُن کی سمجھ کا کیا حال تھا۔ کس دماغ کے تھے وہ لوگ کتنے ناسمجھ تھے اس کا اندازہ کرنے کے لیے اُن کے جو واقعات پیش آئے اور جو گفتگو ہوئی اور جو مسائل رکھے اُنھوں نے سامنے وہ آپ کے سامنے کچھ میں عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر قائم رکھے ان حضرات کی محبت پر قائم رکھے اور آخرت میں انکے ساتھ محشور فرمائے (آمین)

عُمدہ اور فینسی جِلد سازی کا عظیم مرکز

NBB

نفیس بُک بائنڈرز

ہمارے یہاں ڈائی دار اور لیمینیشن
والی جلد بنانے کا کام انتہائی
معیاری طور پر کیا جاتا ہے

نیز قرآن مجید کی اعلیٰ قسم کی
بکس والی جلد بھی خوبصورت
انداز میں بنائی جاتی ہے

مُناسب نرخ پر معیاری جِلد سازی کے لئے رجُوع فرمائیں

۱۶۔ ٹیپ روڈ نزد گھوڑا ہسپتال لاہور۔ فون 7322408

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری مدظلہم

رمضان کے عشرۂ اخیرہ کے احکام

رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت کا خاص اہتمام کیا جائے

وعن عائشۃ رضؓ قالتْ کانَ رسُولُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ تعالیٰ علیہِ وسلّمَ اِذا دخلَ العشرُ شدَّ مِیزَرہٗ واَحیٰی لیلَہٗ وایقظ اھلَہٗ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ روایت فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تھا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے تہبند کو مضبوط باندھ لیتے تھے اور رات بھر عبادت کرتے تھے اور اپنے گھر والوں کو (بھی عبادت کے لیے) جگاتے تھے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۲ بحوالہ بخاری و مسلم)

تشریح۔ ایک حدیث میں ہے کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں کے اندر جتنی محنت سے عبادت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے ایام میں اتنی محنت نہ کرتے تھے۔ (مسلم عن عائشہ رضؓ)

حضرت عائشہ رضؓ نے یہ جو فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں آپؐ تہبند کس لیتے تھے۔ علماء نے اس کے دو مطلب بتائے ہیں ایک یہ کہ خُوب محنت اور کوشش سے عبادت کرتے تھے اور راتوں رات جاگتے تھے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اُردو کے محاورے میں محنت کا کام بنانے کے لیے بولا جاتا ہے کہ "خوب کمر کس لو" اور دوسرا مطلب تہبند کس کر باندھنے کا یہ بتایا کہ رات کو بیویوں کے پاس لیٹنے سے دُور رہتے تھے کیونکہ ساری رات عبادت میں گزر جاتی تھی اور اعتکاف بھی ہوتا تھا اس لیے رمضان کے آخری عشرہ میں میاں بیوی والے خاص تعلق کا موقع نہیں لگتا

تھا۔ حدیث کے آخر میں جو اَیقظ اَھلَہٗ فرمایا اُس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم خود بھی بہت محنت اور کوشش سے عبادت کرتے تھے اور رات بھر بیدار رہتے تھے اور گھر والوں کو بھی اس مقصد کے لیے جگاتے تھے۔ بات یہ ہے کہ جسے آخرت کا خیال ہو۔ موت کے بعد کے حالات کا یقین ہو۔ اجر و ثواب کے لینے کا لالچ ہو وہ کیوں نہ محنت اور کوشش سے عبادت میں لگے گا، پھر جو اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے اہل و عیال کے لیے بھی پسند کرنا چاہیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم خود راتوں کو نمازوں میں اتنا قیام فرماتے تھے کہ قدم مُبارک سوج جاتے تھے۔ پھر رمضان کے اندر خصوصاً اخیر عشرہ میں اور زیادہ عبادت بڑھا دیتے تھے۔ کیونکہ یہ مہینہ اور خاص کر اخیر عشرہ آخرت کی کمائی کا خاص موقع ہے۔ آپؐ کی کوشش ہوتی تھی کہ گھر والے بھی عبادت میں لگیں لہٰذا اخیر عشرہ کی راتوں میں اُن کو بھی جگاتے تھے۔ بہت سے لوگ خود تو بہت بڑی عبادت کرتے ہیں، لیکن بال بچّوں کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔ یہ لوگ فرض نماز بھی نہیں پڑھتے، اگر بال بچّوں کو ہمیشہ دین پر ڈالنے اور عبادت میں لگانے کی کوشش کی جاتی رہے اور اُن کو ہمیشہ فرائض کا پابند رکھا جائے تو رمضان میں نفلوں کے لیے اُٹھانے اور شبِ قدر میں جگانے کی بھی ہمّت ہو۔ جب بال بچّوں کا ذہن دینی نہیں بنایا تو اُن کے سامنے شب بیداری کی بات کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی محبّت عطا فرمائے اور عبادت کی لگن اور ذکر کے ذوق سے نوازے۔

شبِ قدر کی فضیلت

رمضان المبارک کا پُورا مہینہ آخرت کی دولت کمانے کا ہے پھر اس ماہ میں اخیر عشرہ اور بھی زیادہ محنت اور کوشش سے عبادت میں لگنے کا ہے۔ اس عشرہ میں شبِ قدر ہوتی ہے جو بڑی بابرکت رات ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔ یعنی شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے ہزار مہینے کے ۸۳ سال اور چار مہینے ہوتے ہیں۔ پھر شبِ قدر کو ہزار مہینے کے برابر نہیں بتایا بلکہ ہزار مہینے سے بہتر بتایا ہے۔ ہزار مہینے سے شبِ قدر کس قدر بہتر ہے اُس کا علم اللہ ہی کو ہے مؤمن بندوں کے لیے شبِ قدر بہت ہی خیر و برکت کی چیز ہے۔ ایک رات جاگ کر عبادت کر لیں اور ہزار مہینوں سے زیادہ عبادت کرنے کا ثواب پا لیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا

چاہیے۔ اسی لیے تو حدیث شریف میں فرمایا: مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهٗ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا اِلَّا كُلُّ مَحْرُوْمٍ (ابن ماجہ) یعنی جو شخص شبِ قدر سے محروم ہوگیا (گویا) پوری بھلائی سے محروم ہوگیا۔

اور شبِ قدر کی خیر سے وہی محروم ہوتا ہے جو کامل محروم ہو۔ مطلب یہ ہے کہ چند گھنٹے کی رات ہوتی ہے اور اس میں عبادت کرلینے سے ہزار مہینے سے زیادہ عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ چند گھنٹے بیدار رہ کر نفس کو سمجھا بجھا کر عبادت کرلینا کوئی ایسی قابلِ ذکر تکلیف نہیں جو برداشت سے باہر ہو۔ تکلیف ذرا سی اور ثواب بہت بڑا۔ جیسے کوئی ایک نیا پیسہ تجارت میں لگادے اور بیس کروڑ روپیہ پالے، جس شخص کو ایسے بڑے نفع کا موقع ملا پھر اُس نے توجہ نہ کی اُس کے بارے میں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ پُورا اور پکّا محروم ہے۔

پہلی اُمّتوں کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں۔ اس اُمّت کی عمر بہت سے بہت ۷۰۔ ۸۰ سال ہوتی ہے۔ اللہ پاک نے یہ احسان فرمایا کہ ان کو شب قدر عطا فرمادی اور ایک شبِ قدر کی عبادت کا درجہ ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ کردیا۔ محنت کم ہُوئی وقت بھی کم لگا اور ثواب میں بڑی بڑی عمروں والی اُمّتوں سے بڑھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے کہ اس اُمّت کو سب سے زیادہ نوازا۔ یہ کیسی نالائقی ہے کہ اللہ کی بہت زیادہ نوازش اور داد و دہش ہو اور ہم غفلت میں پڑے سویا کریں۔ رمضان کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہونے دو۔ خصوصاً آخری عشرہ میں عبادت کا خاص اہتمام کرو اور اس میں بھی شبِ قدر میں جاگنے کی بہت زیادہ فکر کرو۔ بچّوں کو بھی ترغیب دو۔

شب قدر کی دُعا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب پُوچھا کہ یارسول اللہ شب قدر میں کیا دُعا کروں تو آپؐ نے یہ دُعا تعلیم فرمادی۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ	اے اللہ اس میں شک نہیں کہ آپ معاف کرنے والے ہیں، معاف کرنیوالے کو پسند فرماتے ہیں، للہذا مجھے معاف فرمادیجیے۔

دیکھیے کیسی دُعا ارشاد فرمائی۔ نہ زر مانگنے کو بتایا نہ زمین، نہ دھن نہ دولت، کیا مانگا جاتا ہے؟ معافی! بات اصل یہ ہے کہ آخرت کا معاملہ سب سے زیادہ کٹھن ہے۔ وہاں اللہ کا کام معاف فرمانے سے چلے گا اگر معافی نہ ہوئی اور خدا نخواستہ عذاب میں گرفتار ہوئے تو دُنیا کی ہر نعمت اور لذت اور دولت و ثروت بیکار ہو گی اصل شے معافی اور مغفرت ہی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

مَنْ قَامَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (بخاری)

جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیّت سے (عبادت کیلیے) کھڑا رہا اُسکے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

کھڑا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھے اور اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ تلاوت اور ذکر میں مشغول ہو اور ثواب کی اُمّید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ریا وغیرہ کسی طرح کی خراب نیّت سے کھڑا نہ ہو بلکہ اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضا اور ثواب کے حصُول کی نیّت سے مشغولِ عبادت رہے۔ بعض عُلماء نے فرمایا کہ اِحْتِسَابًا کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کا یقین کر کے بشاشتِ قلب سے کھڑا ہو، بوجھ سمجھ کر بددلی کے ساتھ عبادت میں نہ لگے کہ ثواب کا یقین اور اعتقاد جس قدر زیادہ ہو گا اتنا ہی عبادت میں مشقّت کا برداشت کرنا سہل ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص قربِ الٰہی میں جس قدر ترقّی کرتا جاتا ہے عبادت میں اُس کا انہماک زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ حدیث بالا اور اس جیسی احادیث میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے۔ عُلماء کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ پس جہاں احادیث میں گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر آتا ہے وہاں صغیرہ گناہ مراد ہوتے ہیں اور صغیرہ گناہ ہی انسان سے بہت سرزد ہوتے ہیں۔ عبادت کا ثواب بھی اور ہزاروں گناہوں کی معافی بھی ہو جاتے کس قدر نفع عظیم ہے۔

شبِ قدر کی تاریخیں

شبِ قدر کے بارے میں حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ لہٰذا رمضان کی ۲۱ ویں ۲۳ ویں ۲۵ ویں ۲۷ ویں ۲۹ ویں رات کو جاگنے اور عبادت کرنے کا خاص اہتمام کریں۔ خصوصًا ۲۷ ویں شب کو تو ضرور جاگیں کیونکہ اس دن شبِ قدر ہونے کی زیادہ اُمّید

ہوتی ہے۔

حضرت عبادہ رضؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک دن اس لیے باہر تشریف لائے کہ ہمیں شب قدر کی اطّلاع فرما دیں مگر دو مُسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ مَیں اس لیے آیا تھا کہ تمہیں شب قدر کی اطّلاع دوں مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا جس کی وجہ سے اُس کی تعیین میرے ذہن سے اُٹھالی گئی۔ کیا بعید ہے کہ یہ اُٹھا لینا اللہ کے علم میں بہتر ہو۔

لڑائی جھگڑے کا اثر

اس مُبارک حدیث سے معلوم ہُوا کہ آپس کا جھگڑا اس قدر بُرا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ پاک نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قلبِ مُبارک سے شب قدر کی تعیین اُٹھالی یعنی کس رات کو شب قدر ہے۔ مخصوص کر کے اُس کا علم جو دے دیا گیا تھا وہ قلب سے اُٹھا لیا گیا۔ اگرچہ بعض وجوہ سے اس میں بھی اُمّت کا فائدہ ہوگیا۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ابھی ذکر کریں گے، لیکن سبب آپس کا جھگڑا بن گیا جس سے آپس میں جھگڑے کی مذمّت کا پتہ چلا۔

شب قدر کی تعیین نہ کرنے میں مصالح

عُلماء کرام نے شبِ قدر کو پوشیدہ رکھنے یعنی مقرّر کر کے یُوں نہ بتانے کے بارے میں کہ فلاں رات کو شبِ قدر ہے چند مصلحتیں بتائی ہیں۔

اوّل یہ کہ اگر تعیین باقی رہتی تو بہت سے کوتاہ طبائع دوسری راتوں کا اہتمام بالکل ترک کر دیتے اور صورت موجودہ میں اس احتمال پر کہ شاید آج ہی شبِ قدر ہو متعدّد راتوں میں عبادت کی توفیق نصیب ہوجاتی ہے۔

دوسری یہ کہ بہت سے لوگ ہیں کہ معاصی کیے بغیر نہیں رہتے۔ تعیین کی صورت میں اگر باوجود معلوم ہونے کے معصیت کی جرأت کی جاتی تو یہ بات سخت اندیشہ ناک تھی۔

تیسری یہ کہ تعیین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسردگی کی وجہ سے پھر کسی رات کا جاگنا بشاشت کے ساتھ نصیب نہ ہوتا اور اَب رمضان کی چند راتیں میسّر ہو ہی جاتی ہیں۔

چوتھی یہ کہ جتنی راتیں طلب میں خرچ ہوتی ہیں۔ ان سب کا مستقل ثواب علیحدہ ملتا ہے۔

پانچویں یہ کہ رمضان کی عبادت میں حق تعالیٰ جلّ شانہ ملائکہ پر تفاخر فرماتے ہیں اس صورت میں تفاخر کا موقع زیادہ ہے کہ باوجود معلوم نہ ہونے کے محض احتمال پر رات رات جاگتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی مصالح ہوسکتی ہیں ممکن ہے کہ جھگڑے کی وجہ سے اُس خاص رمضان المبارک میں تعیین بھلا دی گئی ہو اور اُس کے بعد مصالح مذکورہ یا دیگر مصالح کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے تعیین چھوڑ دی گئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ ثُمَّ اعْتَکَفَ اَزْوَاجُہٗ مِنْ بَعْدِہٖ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرماتے تھے، وفات ہونے تک آپ کا یہ معمول رہا۔ آپؐ کے بعد آپؐ کی بیویاں اعتکاف کرتی تھیں۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۳ بحوالہ بخاری ومسلم)

تشریح رمضان المبارک کی ہر گھڑی اور منٹ وسیکنڈ کو غنیمت جاننا چاہیے۔ جتنا ممکن ہو اس ماہ میں نیک کام کرلو، اور ثواب لوٹ لو، پھر رمضان میں بھی آخری دس دن کی اہمیّت بہت زیادہ ہے۔

رمضان کے آخری دس دن (جن کو عشرہ اخیرہ کہا جاتا ہے) اعتکاف بھی کیا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم ہر سال ان دنوں کا اعتکاف فرماتے تھے اور آپؐ کی بیویاں بھی اعتکاف کرتی تھیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد بھی آپؐ کی بیویوں نے اعتکاف کا اہتمام کیا۔ جیسا کہ اُوپر حدیث میں مذکور ہُوا۔ یہ ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ زمانۂ نبوّت کی عورتیں نیکیاں کمانے کی دُھن میں پیچھے نہ رہتی تھیں

کے لیے (ان) سب نیکیوں کا ثواب (بھی) جاری رہتا ہے (جنھیں اعتکاف کے باعث انجام دینے سے قاصر رہتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

فائدہ۔ جس دن صبح کو عید یا بقرعید ہو اس رات کو بھی ذکر عبادت اور نفل نماز سے زندہ رکھنے کی فضیلت آئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے دونوں عیدوں کی راتوں کو عبادت کے ذریعہ زندہ رکھا اُس دن اُس کا دل مردہ نہ ہوگا جس دن دل مردہ ہوں گے (یعنی قیامت کا دن) الترغیب والترہیب

رمضان کے بعد دو اہم کام

صدقہ فطر فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ مقرر فرمایا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے صدقہ فطر روزوں کو لغو اور گندی باتوں سے پاک کرنے کے لیے اور مساکین کی روزی کے لیے۔ (رواہ ابوداؤد)

شش عید کے روزے

فرمایا فخرِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد چھ (نفل) روزے شوال (یعنی عید) کے مہینہ میں رکھے تو (پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ہوگا اگر ہمیشہ ایسا ہی کیا کرے تو) گویا اُس نے ساری عمر روزے رکھے۔ (مسلم عن ابی ایوبؓ)

انتقالِ پُر ملال

گزشتہ ماہ ۲۹ شعبان کو جامعہ کے مدرس مولوی امین صاحب کی والدہ صاحبہ کی وفات ہوگئی انا للہ وانا الیہ راجعون پندرہ بیس روز قبل مرحومہ کے دماغ کی رگ پھٹ گئی تھی جس کی وجہ سے ان کو فالج ہوگیا تھا دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرماکر اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطاء فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق نصیب ہو۔

ایک اہم مکتوب

جماعت تبلیغ کے سرپرست حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک خط گزشتہ شمارہ میں شائع کیا گیا تھا اس بار ایک اور خط جو حضرت بانی جامعہ کے نام تھا افادۂ عام کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں بزرگوں کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں اُن کی تعلیمات پر عمل کی توفیق نصیب ہو۔

مسجد نور مدینہ منورہ ۷۸۶ ۱۱ شوال ۱۴۰۰ھ

مخدومی و مکرمی جناب حضرت مولانا حامد میاں صاحب دامت برکاتکم السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حضرت والا کا گرامی نامہ باعث عزت و شفقت ہُوا، حق تعالیٰ شانہ آپ کو صحت کے ساتھ دین کی محنت کے لیے تا دیر قائم رکھیں اور مدرسہ کی توسیع میں ہر طرح کی مدد و نصرت اور خیر و برکت عطا فرمائے اب تو تمام مدارس شہر کے اندر تنگ پڑ گئے ہیں جس کی وجہ سے شہر کے باہر ہی مناسب معلوم ہوتے ہیں، طلبا کا شہر کی فضاؤں سے محفوظ رہنا بھی اِسی میں نظر آتا ہے اور آب و ہوا کی صفائی اور صحت بھی اسی میں نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ علم کی خدمت کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور اُن کے درجات دُنیا و آخرت میں بلند فرمائے اور ہر گھر مدرسہ ہو اور ہر شخص متعلم و معلم و مبلغ و مجاہد ہو کہ یہی چار صفات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ہر فرد میں موجود تھیں اور اِنہیں پر پُورا دین قائم تھا۔ آج علم گھروں سے بازاروں سے، دفتر سے نکل کر سمٹتا ہُوا مدرسہ کی چار دیواری میں بند ہوتا چلا جا رہا ہے یہاں تک کہ مسجدوں میں بھی نظر آنا مشکل ہو گیا جو علم کا اصل مرکز تھیں، اللہ تعالیٰ اس علمِ دین میں پھر وسعت فرمائیں اور اُمتِ مسلمہ کا ہر طبقہ اس سے مزین ہو اس کے بغیر یہ نماز صحیح نہ روزہ، نہ حج صحیح نہ زکوٰۃ، نہ معاملات صحیح نہ معاشرت۔ ہم لوگ دُعا کے بہت محتاج ہیں اس کے لیے عاجزانہ درخواست ہے۔ فقط والسّلام

مولانا سعید احمد خان صاحب

بقلم: خالد صدیقی علیگ

مسجد نور۔ باب العوالی مدینہ منورہ

اعتکاف میں بہت بڑا فائدہ ہے۔ اس میں انسان یک سو ہو کر اپنے اللہ سے لَو لگاتے رہتا ہے اور چونکہ رمضان کی آخری دس راتوں میں کوئی نہ کوئی رات شبِ قدر بھی ہوتی ہے اس لیے اعتکاف کرنے والے کو عموماً وہ بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

مرد ایسی مسجد میں اعتکاف کریں جس میں پانچوں وقت جماعت سے نماز ہوتی ہو اور عورتیں اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کریں اپنے گھر میں جو جگہ نماز کے لیے مقرر کر رکھی ہو اُن کے لیے وہی مسجد ہے۔ عورتیں اسی میں اعتکاف کریں۔ رمضان کی بیسویں تاریخ کا سُورج چھپنے سے پہلے عید کا چاند نظر آنے تک اعتکاف کی نیت سے عورتوں کو گھر کی مسجد میں اور مردوں کو پنج وقتہ نماز باجماعت والی والی مسجد میں جم کر رہنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ جم کر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ عید کا چاند نظر آنے تک مسجد ہی کی حد میں رہے۔ البتہ پیشاب، پاخانہ کے لیے وہاں سے چلے جانا درُست ہے۔ اعتکاف کرے تو ہر وقت مسجد میں رہے۔ وہیں سوتے، وہیں کھائے۔ قرآن پڑھے نفلیں پڑھے، تسبیحوں میں مشغول رہے جہاں تک ممکن ہو راتوں کو جاگے اور عبادت کرے، خاص کر جن راتوں میں شب قدر کی اُمّید ہو ان راتوں میں شب بیداری کا اہتمام کرے۔

مسئلہ۔ اعتکاف میں میاں بیوی کے خاص تعلّقات والے کام جائز نہیں ہیں۔ نہ رات میں نہ دن میں۔

مسئلہ۔ یہ جو مشہور ہے کہ جو اعتکاف میں ہو وہ کسی سے نہ بولے چالے یہ غلط ہے بلکہ اعتکاف میں بولنا چالنا اچھی باتیں کرنا، کسی کو نیک بات بتا دینا اور بُرائی سے روک دینا، بال بچّوں اور نوکروں و نوکرانیوں کو گھر کا کام کاج بتا دینا یہ سب درُست ہے اور عورت کے لیے اس میں آسانی بھی ہے کہ اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کی نیت سے بیٹھی رہے اور وہیں سے بیٹھے بیٹھے گھر کا کام کاج بھی بتاتی رہے۔

مسئلہ۔ اگر اعتکاف میں عورت کو ماہواری شروع ہو جائے تو اُس کا اعتکاف وہیں ختم ہو گیا۔ رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف میں اگر ایسا ہو جائے تو کسی عالم سے مسائل معلوم کر کے قضا کر لیں۔

حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ اعتکاف معتکف کو گناہوں سے روکتا ہے اور اس

الحاج سید امین گیلانی

شام کیوں مانگتے پھرتے ہو سحر والوں سے

آؤ ہم چل کے مِلیں دیدۂ تر والوں سے
کہ گُہر ملتے ہیں، ایسے ہی گُہر والوں سے

دِل میں آنے نہیں دیتے کوئی بیہُودہ خیال
جب ہماری ہو ملاقات نظر والوں سے

آہ ! کس طرح سرِ عرش پہنچ جاتی ہے
پُوچھ کر دیکھیں کبھی، دردِ جگر والوں سے

کیوں وہ کرتے ہیں ترے نقشِ کفِ پا کا طواف
کون پُوچھے ! یہ تری راہگذر والوں سے

ہم تو تاجر ہیں اُجالوں کے اُجالے مانگو
شام کیوں مانگتے پھرتے ہو سحر والوں سے

شمع سے شمع جلالینا ہے دانش مندی
ہم ہُنر والے ہیں، سیکھا ہے ہُنر والوں سے

وہ بتادیں گے دُعاؤں میں اثر کی تدبیر
رکھ، محبّت تو دُعاؤں میں اثر والوں سے

ہم نے سچ کہنے کی سوگند اُٹھا رکھی ہے
ہم نہیں ڈرتے کبھی، تیغ و تبر والوں سے

لِلّٰہ الحمد، خُدا پر ہے توکّل میرا
کس لیے دب کے کروں بات میں زر والوں سے

اُدھر امریکہ ہے دُشمن تو اِدھر رُوس عدو
نہ اُدھرسے والوں سے ملنا، نہ اِدھر والوں سے

کیوں وطن چھوڑ کے جاتے ہو، مصیبت کیا ہے
کب امیںؔ پُوچھا کسی نے یہ سفر والوں سے

حدیث غزوۂ قسطنطنیہ اور مغفرتِ یزید

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

"اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی ایک طویل حدیث پر علمی و تحقیقی بحث غزوۂ قسطنطنیہ میں شریک ہونے والے مجاہدین کی بخشش و مغفرت اور یزید ابن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بشارت اور مغفور لہم میں داخل ہونے یا نہ ہونے پر ایک گرانقدر اور قیمتی تحریر۔

اسلامی تاریخ کے اس معرکۃ الآرار موضوع پر دل و دماغ اور قلب و نگاہ کی پاکیزگی کے ساتھ جامعیت اور اعتدال سے بھرپور ایسی تحریریں بہت کم پڑھنے کو ملتی ہیں۔" (سنہ تصنیف شوال ۱۳۸۰ھ)

دیوبند سے شائع ہونے والے ایک مشہور مجلّہ، ماہنامہ[1] تجلّی کی فروری و مارچ ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں جناب مظہر عزیز سہیل، بی، اے گورکھپور کے قلم سے ایک طویل علمی مضمون بعنوان حدیث غزوۂ قسطنطنیہ پر استفتاء شائع ہوا۔ اس مضمون میں بخاری شریف کی اس حدیث پر بحث کی گئی ہے جس میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جانب سے اسلامی فوج کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی پیشین گوئی اور اس میں شرکت کرنے والے مجاہدین و غازیین کے لیے مغفرت کی بشارت ہے۔

---

[1] ناچیز مقدمہ نگار مولانا سلطان الحق صاحب قاسمی ناظم کتب خانہ دار العلوم دیو بند کا ممنون ہے کہ ان کی مساعی سے تجلّی کا یہ شمارہ حاصل ہوا۔

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں چھ جگہ مختلف ابواب کے تحت تحریر فرمائی ہے۔ پہلی جگہ باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء میں دوسری جگہ باب من يصرع في سبيل الله فمات میں، تیسری جگہ باب غزوة المرأة في البحر میں چوتھی جگہ باب ركوب البحر میں، پانچویں جگہ باب ما قيل في قتال الروم میں چھٹی جگہ کتاب الاستيذان باب من زار قومًا فقال عندهم میں۔

مستفتی کو اصل خلجان اس حدیث شریف سے متعلق اُن توضیحات و تشریحات میں تھا جو بعض شراح حدیث مثلاً علّامہ ابن التین اور علّامہ ابن المنیر وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک مغفور لهم کے عموم میں یزید داخل نہیں ہے اس لیے کہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا یہ قول اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان مجاہدین میں مغفرت کی اہلیّت اور صلاحیّت بھی باقی رہی ہو۔

مستفتی نے علّامہ ابن التین اور علّامہ ابن المنیر رحمہما اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ اس رائے اور توضیح کے پیشِ نظر ان کے بارے میں فيهما رائحة من الرفض کا فیصلہ دیا ہے اور ماہنامہ تجلّی کے تقریباً چار صفحات میں اُن کی اس رائے اور توضیح کو غلط ثابت کرتے ہوئے ایک طویل استفتاء دس اکابر علماء کی خدمت میں پیش کیا ہے اور اُن سے درخواست کی ہے کہ وہ کتاب و سُنّت اور فقہائے اُمت کے اقوال و دلائل سے اس کا جواب تحریر فرمائیں۔

وہ دس اکابر یہ ہیں۔ ۱۔ مولانا الحافظ الشاہ عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنؤ۔ ۲۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مئو اعظم گڑھ۔ ۳۔ مولانا ظفر احمد عثمانی ڈھاکہ۔ ۴۔ مولانا محمد تقی صاحب امینی مدرسہ معینیہ اجمیر ۵۔ مولانا محمدؒ طیّب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ ۶۔ مولانا محمدؒ زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارن پور۔ ۷۔ مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی شیخ الحدیث والتفسیر ندوہ لکھنؤ۔ ۸۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر رسالہ ترجمان القرآن لاہور۔ ۹۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ مدیر رسالہ الفرقان لکھنؤ۔ ۱۰۔ مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی کراچی۔

مستفتی نے ان حضرات کی خدمت میں بھیجنے کے لیے جو استفتاء مرتّب کیا ہے وہ اگرچہ کافی طویل ہے لیکن اس کو یہاں نقل کرنا اس لیے ناگزیر ہے کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے

اپنے جواب میں جا بجا اس کے حوالے دیے ہیں۔ استفتا، یہ ہے۔

استفتا

(۱) کیا فرماتے ہیں عُلماء دین حسب ذیل استفسارات و شُبہات کے باب میں کیا مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ سے مغفرتِ اوّل مُراد ہے جس کا دوسرا عنوان دخولِ جنّت بغیر عذاب ہے یا مغفرت بعد سزائے کبائر مُراد ہے؟ اگر مغفرت بعد سزا مُراد ہو تو نہ اس میں یزید اور دیگر لشکریان کے لیے کوئی خصوصیّت، کوئی مدح، کوئی مژدہ و بشارت ہے اور نہ ابن التین وغیرہ کو اس پر گھبرانے اور تاویلات پیدا کرنے اور مشتبہ بنانے کی کوئی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ تو ابن التین کے لیے، میرے لیے، اور تمام گناہ گاروں کے لیے عام ہے ہی مگر بظاہر اور میرے نزدیک ابن التین کی یہ کلامی کوششیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ تمام لشکریوں کے لیے خصوصًا یزید کے لیے کسی قسم کی بھی مغفرت کے قائل نہیں۔

(۲) حضورؐ کا ارشاد مغفور لھم کا طرزِ بیان، پوری حدیث کے دیگر قرائن کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہُوئے کیا جہادِ قسطنطنیہ کی ترغیب اور فضائل کا محض عام ذکر ہے۔ (اگر کوئی فرد یا لشکر پہلے غزوۂ قسطنطنیہ میں جائے گا تو مغفور لھم کے ثواب میں بشرط وجود شرائط عامہ ثواب کا شریک ہو سکے گا) یا یہ خاص حالات کے مخصوص افراد کے لیے ایک خاص تبشیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس انعام کا ملنا تو اٹل ہے۔ یہ انعام تو انھیں مل کر ہی رہے گا۔ کیونکہ ان مخصوص لوگوں کی ایمان کی سلامتی اور وفات علی الایمان تو متیقن و متعیّن ہے، اس میں کوئی شرط و تعلیق نہیں؟

(۳) اگر یہ اَوْجَبُوْا اور مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ ذکرِ فضائلِ جہادِ مجاہدین ہے اور ترغیبِ عمل نہیں بلکہ مخصوص تبشیرِ جیش ہے تو کیا مخصوص تبشیر میں بھی شرط و تعلیق ہُوا کرتی ہے اگر ہو سکتی ہے تو اس کی کوئی نظیر؟

(۴) اگر ایک بشارت مغفور لھم میں شرط و تعلیق عُلمانے مانی ہے تو کیا اُسی وقت کی اور اسی حیثیّت کی دوسری بشارت اوجبوا میں بھی شرط و تعلیق مانی ہے۔؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اس سے تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اور اگر ہے تو پھر ابن التین کو یا ہم کو اس ارشاد میں اور کن کن قوانین کو ملا کر او جبوا کا انعام تقسیم کرنے کا ضابطہ بنانا چاہیے اور کن کن افراد

کو کس کس قانون کی روشنی سے اُس بشارت کا نفع ملنے سے خارج کر دینا چاہیے؟

(۵) جس قاعدہ کی طرف ابن التین اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ حکم مشروط ہے اس شرط سے الخ وہ بات صحیح اور تسلیم تو ہے مگر جہاں تک میری ناقص نظر اور ناقص فہم کی رسائی ہے۔ اس کا طرزِ بیان ہی جداگانہ ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ دو جملوں (شرط و جزا) میں ہوا کرتا ہے۔ مثلاً من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه وما تأخر وغیرہ یہاں دو جملے ہیں، مضمون بھی شرط و جزا کا ہے اس لیے شرط بھی صحیح اور تعلیق بھی تسلیم مگر اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَۃَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ، تو جملہ مفردہ اسمیہ خبریہ ہے اس کے اندر بھی شرط و تعلیق ماننا میرے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے ایک آدمی زید کو دورہ پڑھنے کے زمانے میں زید عالم کہہ دے تو دوسرا کہے کہ واہ زید بھلا اس عموم میں کیونکر داخل ہو سکتا ہے، کیونکہ تمام علماء بلا اختلاف جانتے اور مانتے ہیں کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، کسے معلوم کہ زید زندہ بھی رہے گا اور یہ کہ عالم ہونا مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ شخص عمر طبعی خدا کے یہاں سے لے کر آیا ہو پھر اس کو مدرسہ بھی جامعۂ ازہر مصر کی طرح ملا ہو۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض اسے ابن التین جیسے اُستاد نہ ملیں تو اُس کے عالم ہونے کا کوئی امکان نہ ہو، اس لیے معلوم ہوا کہ کہنے والے کا منشاء عالمؔ کہنے سے صرف اسی صورت کے ساتھ مخصوص و مشروط ہے کہ وہ بوڑھا ہو کر مرے، مصر جا چکا ہو اور ابن التین جیسا اُستاد بھی اُسے ملا ہو۔

(۶) کیا حضورؐ کی اور تمام بشارتیں عشرہ مبشرہ کو، اہلِ بیت قرآنی، یعنی اُمہات المؤمنین کو۔ اہلِ بیتِ حدیثی یعنی آلِ عبا کو اصحابِ بدر کو بلکہ جملہ اصحابِ رسولؐ کو کہ (مغفرة واجرًا عظیمًا کا وعدہ سبھی سے ہے) بھی اسی ناوکِ شرط و تعلیق کا ہدف ہیں؟

(۷) جب جمع الفوائد جلد دوم مناقب حسینؓ میں معجم کبیر طبرانی کی ایک حدیث ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ مروی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ اور حضورؐ دو معصوموں نے شہادت دی کہ قاتلین حسینؓ مسلمان ہوں گے، چنانچہ اس پر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تعجب بھی ہوا گویا اُن کو قاتلینِ حسینؓ کا مسلمان ہونا یا مسلمان رہ جانا باور ہی نہ ہوتا تھا مگر جب حضورؐ نے ان کو مسلمان کہہ دیا اور قتل حسین ہی کے جرم کے ساتھ اُن کا مسلمان ہونا بیان فرمایا تو کیا ابن التین (یا تفتازانی یا کسی غوث و قطب) کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ اُسے شریعت

محمدیہ کی رو سے کافر یا مرتد کہیں؟
(ب) اگر بالفرض یزید نے یا ابن زیاد نے سیدنا حسین رضؓ کو قصداً بھی اس خیال سے قتل کیا کہ وہ تفریق بین المسلمین کے مرتکب ہو رہے تھے، جیسا ابن عمر رضؓ کا قول اتقیا اللہ ولا تفرقا بین المسلمین، ابن علی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے باب میں مذکور اور حدیث فاقتلوہ کائنا من کان مشہور ہے تو کیا شریعتِ محمدیہ کی رو سے وہ لوگ گناہگار ہوتے ہیں؟ کیا ایسا کوئی قاتلِ مسلم یا آمر بقتلِ مسلم ایسی صورت میں بھی مستحق لعنت ہے جیسا امام غزالی رحؒ لکھتے ہیں
(یہ سوال بظاہر ابن التین سے غیر متعلق ہے لیکن ان کے قول کو کچھ دُور چلنے کے بعد مستلزم ضرور ہے اس لیے لکھ دیا۔)
(۸) حضورؐ نے ام حرام رضؓ کے یہاں قیلولہ میں جو دو خواب دیکھے اور پھر جو بشارتیں اوجبوا اور مغفورٌ لھم کی یا تو کیا ان ارشادات میں اخبار عن الغیب، کشفِ مستقبل نہیں تھا۔؟ دونوں خواب خود تو وحی تھے مگر کیا اسکے ان ارشادات میں بھی وحی کا کوئی دخل نہ تھا؟ کیا ایسے قرائن وحی سے قطع و یقین کا خیال مستنبط ہوتا ہے یا ظن و تخمین اور تعلیق و تانین ہی کا پہلو نکلتا ہے اگر ان قرائن کے باوجود بھی اس ارشاد میں محض ترغیبِ جہاد اور حکم مشروط نکلتا ہے تو ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگر حضورؐ نے یا کسی پیغمبر نے خواب کی وحی سے بھی اعمال کے فضائل اور ثواب تعلیم کیے ہیں تو خواب و خیال کا اعتبار کیا؟ سائل کے نزدیک اس میں ترغیبِ جہاد ہرگز نہیں ہے، بلکہ خواب کی وحی، مسرّت اور ضحک کے قوی وجد و حال کے قرائن سے اس میں تامہ اور مغفرت اولیٰ مراد ہے۔
(۹) اگر ابن التین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مغفورٌ لھم کے احترام اور تقدیس میں ایک دوسرے ارشادِ نبوی اور عام قانون کو پیشِ نظر رکھنا اپنے علم و دیانت کا تقاضا سمجھا تو میں بھی حضورؐ کے اُس ارشاد کے احترام اور تقدیس ہی کی خاطر ایک دوسرے ارشادِ نبوی اور عام العام خداوندی کو پیشِ نظر رکھنا اور مسلمانوں تک پہنچانا، اپنے علم و دیانت کا تقاضا خیال کرتا ہوں، علماء کرام فیصلہ کریں سلم و سلامتی والے اسلام اور امن و امان والے، ایمان کے مزاج کے مطابق اور حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رءوفیت اور رحیمیت اور حق تعالیٰ

کی غفاریت اور رحمانیت کی رُوح کے موافق ابن التین کے علم و دیانت کا تقاضا ہے یا راقم الحروف کے علم و دیانت کا، وہ ارشاد نبویؐ یہ ہے۔ (دیکھیے مشکوٰۃ باب وقوف بعرفہ عن عبّاس ابن مرداس ص ۲۲۹ "حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عرفہ کے روز دن ڈھلے اپنی اُمّت کی مغفرت (تامّہ) کی دُعا فرمائی تو دربار الٰہی سے جواب ملا کہ اچھا مَیں نے ان سب کو بخش دیا بجز مظالم اور حقوق العباد کے، کیونکہ یہ حق تو مَیں ظالم سے مظلوم کو دلوا کر رہوں گا تو حضورؐ نے عرض کیا اے میرے پروردگار! آپ اگر چاہیں تو مظلوم اور صاحبِ حق کو جنّت کا کوئی محل دے کر راضی اور ظالم کو (بری فرما کر) معاف فرما سکتے ہیں تو اس دُعا کا جواب وہاں میدان عرفات میں تو آپ کو نہیں ملا، مگر جب آپؐ نے مزدلفہ پہنچ کر صبح کو پھر وہی دُعا مانگی تو آپ کی دُعا منظور کر لی گئی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر حضور پر ضحک یا تبسّم کا وجد طاری ہوگیا تو آپ سے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان! یہ گھڑی تو ایسی مبارک اور اہم ہے کہ آپؐ (بجز شغل دُعا و ابتہال و گریہ اور ذکر کے) کبھی اس وقت ہنسا نہیں کرتے تھے، آخر کیا بات تھی جس نے آپ کو ہنسا دیا، خدا کرے آپ ہمیشہ ہنستے خوش ہوتے رہیں، حضورؐ نے فرمایا سنو! اللہ کے اس دُشمن ابلیس کو جب معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دُعا (مغفرتِ اُمّت کی) قبول فرمالی اور میری اُمّت کی مغفرت (تامّہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی) فرما دی تو مٹی لے کر سر پر ڈالنے اور بڑی ہائے ویلا مچانے لگا ہے۔ بس اس کی یہ بدحواسی دیکھ کر مجھے بھی ہنسی آگئی"۔ (انتہی)

اب ابن التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اُسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ مغفور لہم نے ان کو بدحواس اور تاویلات پر آمادہ کر دیا، ابن التین ——— تو ایک یزید ہی کی مغفرت پر سر بہ جبیں ہو رہے ہیں اور حضورؐ کی شان رحمت للعالمین ساری ہی اُمّت کی مغفرت تامہ کے لیے بار بار دُعا فرما رہی ہے جن میں نہ معلوم کتنے یزید ہوں گے۔

ابن التین اللہ میاں کو تقسیمِ مغفرت کے متعلّق ایک ضابطہ بتا کر مشورہ دے رہے ہیں کہ حضور اسے مشروط کر دیجیے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم جو حریصؐ علیکم کا تاج سر پر رکھے ہیں وہ حق تعالیٰ کے سامنے حقوق العباد (جس میں قتلِ مُسلم بھی داخل ہے) کی معافی کے لیے ترحّم

خسروانہ کی اپیل کررہے ہیں اور اُمّت کو ولا تخش من ذی العرش اقلالاً کے عقیدے کی تعلیم دے رہے ہیں۔

۱۰۔ جب مغفور لھم حضور کا ارشاد ہے اور مقام تبشیر میں ہے تنزّل کے طور پر اس کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اس فوج کے لوگ گناہوں سے پاک اور پارسا تو نہ ہوں گے کہ مغفرتِ اوّل سے کامیاب ہوں اور بے حساب جنّت میں چلے جائیں بلکہ ہوں گے ان میں سے اکثر مرتکبین کبائر کوئی قاتلِ مسلم ہوگا کوئی آمر بہ قتلِ مسلم ہوگا کوئی مستبشر بہ قتل ہوگا کوئی مدمنِ خمر ہوگا کوئی چیتوں اور کتّوں سے شکار کا مشغلہ کرتا ہوگا۔ کوئی شعر گوئی میں تضیعِ اوقات کرتا ہوگا۔ ایسے لوگوں کے لیے بھی جب حضورؐ نے مغفور لھم فرمادیا تو گویا اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ جہادِ مدینہ قیصر کا ثواب اس قدر بے نہایت ہے اور یہ فعل ایسا پسندیدہ حق ہے کہ اس فوج کے تمام افراد کے تمام گناہ صغائر بھی کبائر بھی، حقوق اللہ بھی حقوق العباد بھی سب بخش دیے جائیں گے بلکہ اگر بالفرض ان مجاہدین میں سے کسی کو (معاذاللہ) ایک تقدیرِ ازلی کے بموجب کفر و ارتداد کا بھی ابتلا پیش آجائے گا تب بھی اُس غزوہ کے جملہ شرکاء کے لیے (بلا استثناء مرد و عورت، امیر و مامور، سپاہی و سپہ سالار) حق تعالیٰ کی دوسری تقدیر یہ بھی ہوچکی ہے کہ اس ابتلاء کے بعد بھی اُسے پھر توبہ صادقہ کی توفیق یقیناً ہوجائے گی، اس طرح وہ مستحق مغفرت بن جائے گا اور حضورؐ کا فرمان سچّا اور پورا ثابت ہوکر رہے گا۔ گویا حضورؐ نے مغفور لھم فرماکر اُسی دوسری تقدیر خداوندی کی طرف اشارہ فرمایا تھا جو ابن التین کے گلے کے نیچے نہیں اُتر رہی ہے۔

ایک نظریہ ہے کہ ہر مسلمان کو اس پر ایمان لانا ضروری ہے اگر ابن التین مکذبین بالقدر میں سے نہیں ہے تو اُن کو آنکھ کھول کر وہ ارشادِ نبوی دیکھنا چاہیے جسے بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ (دیکھو مشکوٰۃ باب القدر عن سھل بن سعد)

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بندہ زندگی بھر دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے، اسی طرح بندہ جنتیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ انسان کے آخری اعمال کا اعتبار ہوتا ہے۔

یہ تو تھی تقدیر کی تھیوری اور نظریہ، اب اس کی ایک مثال بھی عہدِ سعادت ہی کی سُن لیجیے، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک بار حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ سے کچھ وحی قرآنی لکھوائی، آیت فتبارك الله احسن الخالقين پر پہنچ کر ایک تقدیرِ الٰہی کی بموجب ان کو ارتداد کا ابتلا پیش آگیا مگر چونکہ ان کو جنتی ہونا تھا۔ اس لیے دوسری تقدیرِ الٰہی سے وہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سعی سے اُن کے عہد میں دوبارہ اسلام لائے اور فاتح مصر بنے رضی اللہ عنہ، حالانکہ لسانِ نبوّت نے رجہاں تک مجھے علم ہے ان کے بارے میں مغفورٌ لھم کی بشارت دی بھی نہیں تھی، اگر یزید سپہ سالار غزوہ قسطنطنیہ کے لیے بھی جس سے شاید کفر و ارتداد ہُوا بھی نہیں تھا، حق تعالیٰ نے حضورؐ کے ارشاد مغفورٌ لھم کی لاج رکھنے کے لیے دوسری تقدیر، توبہ صادقہ، قبل الموت، وفات علی الایمان کی فرمادی ہو تو ابن التین کو اس تقدیرِ الٰہی سے انکار کیوں ہے؟ بینوا توجروا۔"

یہ استفتاء حضرت نوراللہ مرقدہٗ[1] کی خدمت میں دس شوال ۱۳۸۰ھ (۲۸ مارچ ۱۹۶۱ء) میں پہنچا، اس کے ساتھ ایک چند سطری خط سائل کی جانب سے اس مضمون کا بھی ملا کہ احقر کو جناب کے علم و عمل اور تقویٰ اور اخلاق پر اعتماد ہے۔ اس لیے گزارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ ماہ شوال کے ختم تک اس فتویٰ کا جواب دے دیا جائے۔

حضرت المخدوم نے اپنے مشدید مشاغل اور متعدّد عوارض کے باوجود دو دن میں اس کا جواب اپنے قلم مبارک سے تحریر فرما کر خدّام کے حوالہ کیا کہ وہ اس کی نقل تیّار کرلیں لیکن جواب لکھنے میں جس قدر عجلت ہُوئی اسی قدر اس کے ارسال کرنے میں تاخیر ہوتی چلی گئی اور تین ذیقعدہ ۱۳۸۰ھ (۱۹ اپریل ۱۹۶۱ء) میں بصیغہ رجسٹری سائل کو یہ جواب بھیجا گیا۔

مولانا عامر صاحب عثمانی (مدیر تجلّی) نے اس جواب کو پڑھ کر جو خط تحریر کیا وہ یہ ہے۔

مخدوم و مکرّم مولانائے محترم، السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جواب استفتا پر مشتمل جناب کا ملفوف موصول ہوگیا تھا، لیکن بعض ناگزیر اسباب سے وصولیابی کی رسید دینے اور اظہارِ تشکر کرنے میں دیر ہُوئی معاف فرمایئے گا۔

---

[1] شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ

آنجناب نے اپنی بیماری کے باوجود اتنے مفصّل جواب کی زحمت فرمائی یہ جناب کے اخلاق کریمانہ اور ظرف عالی کا مظہر ہے، پھر جس پاکیزہ لب و لہجہ میں آپ نے جواب عنایت فرمایا وہ یقیناً جناب کی عظمت کا نقشِ روشن ہے، اللہ تعالیٰ آپ جیسے کریم النفس بزرگوں کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے اور ہمیں توفیق دے کہ علمی مباحث میں آپ کی متانت، حلم اور منکسر مزاجی کا اتّباع کرسکیں۔

یہ ضروری نہیں کہ مستفتی کو آپ کے ہر ارشاد سے اتّفاق ہی ہو، لیکن یہ اظہر من الشمس ہے کہ آپ کی تفہیم کا انداز صاحب علم و تقوٰی بزرگوں کی شایان شان ہے اور علمی تبحر کا امانت دار۔

تمام موصولہ جوابات کا مطالعہ کرکے جناب مستفتی کس نتیجہ پر پہنچیں گے یہ تو اللہ ہی کے علم میں ہے۔ فی الوقت اس عاجز پر آپ کا شکریہ فرض ہے اور اسی کی ادائیگی کے لیے یہ سطور ہدیۂ خدمت کی ہیں، اگر موصولہ جوابات تجلّی میں شائع کیے گئے تو پرچہ ضرور حاضرِ خدمت ہوگا آپ کی صحّت و عافیّت کے لیے یہ گناہ گار دُعا کرتا ہے اور آنجناب سے دُعائے خیر کا ملتجی ہے۔

عامر عثمانی، مدیر تجلّی ۶ مئی ۱۹۶۱ء

ابھی آپ نے مدیر تجلّی کا مکتوب اور ان کی طرف سے حضرت المخدوم کے لیے القاب و آداب پاکیزہ لب و لہجہ، اخلاق کریمانہ اور ظرف عالی، عظمت کا نقش روشن، علمی مباحث میں اُن کی متانت، حلم اور منکسرانہ مزاجی، تفہیم کا اندازِ صاحبِ علم و تقوٰی بزرگوں کے شایانِ شان اور علمی تبحر کا امانت دار جیسے وقیع اور اونچے الفاظ ملاحظہ فرمائے، لیکن انہی القاب و آداب اور صفاتِ محمودہ سے متصف شخصیّت نے مودودی صاحب کی تصنیفات و تالیفات کا جائزہ لے کر جب ان کا تعاقب کیا اور اُن کے دجل و تلبیس کو آشکارا کیا تو ماہنامہ تجلّی کے اس پر تبصرے اور تنقید اور درشت لب و لہجہ قارئین کے لیے تصویر کا دوسرا رُخ ثابت ہوا۔

عنایت فرمائم سلمہٗ بعد سلام مسنون

کئی دن ہوتے اوّل رسالہ تجلّی اور پھر گرامی نامہ پہنچا، رسالہ کی آمد سے تعجّب ہوا کہ کیوں آیا معمولی ورق گردانی سے بھی پتہ نہ چلا کہ کیوں آیا، پھر گرامی نامہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کوئی استفتا

اس میں ہے تو خیال ہُوا کہ دارالافتاء میں بھیج دوں اس لیے کہ یہ ناکارہ مفتی نہیں ہے نہ فتاوٰی کے جواب لکھتا ہے۔ اس ناکارہ کے نام جو فتاوٰی آتے ہیں وہ دارالافتاء ہی بھیج دیتا ہے بلکہ زبانی بھی کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے تو مفتی صاحب کے پاس بھیج دیتا ہوں کہ افتاء کی ذمہ داری سخت ہے اور یہ ناکارہ افتاء کا اہل نہیں ہے، لیکن ایک صاحب نے جو اتفاق سے یہاں بیٹھے تھے رسالہ کو دیکھا اور اس میں اس ناکارہ کے نام پر نظر پڑ گئی تو اُنھوں نے متوجہ کیا۔ اس پر دیکھ کر معلوم ہُوا کہ فتوٰی نہیں ہے بلکہ بخاری شریف کی ایک حدیث کے متعلق اشکال ہے۔ اس پر بھی اوّل تو یہ ہی خیال رہا کہ رسالہ اور گرامی نامہ دونوں واپس کر دوں، اس لیے کہ اوّل تو یہ ناکارہ اس میدانِ کارزار میں کودنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ دوسرے کئی ماہ سے آنکھوں میں تکلیف ہے۔ حکیم ڈاکٹر نزولِ آب بتاتے ہیں۔ نومبر سے ڈاک بھی عموماً دوسرے ہی لکھ رہے ہیں۔ اس لیے مراجعت کُتب کی ان حالات میں ہمّت بھی نہیں ہے۔ پھر اس خیال سے کہ مشہور حدیث ہے۔ بخاری شریف پڑھانے میں ۱۳۴۶ھ سے اس حدیث پاک پر کم و بیش کلام کرنا ہی پڑتا ہے اس لیے مراجعتِ کُتب کی ضرورت بھی نہیں۔

اس لیے جو ذہن میں سوالات کے متعلق حاضر ہے۔ وہ لکھواتا ہوں۔ کوئی بات سمجھ میں آئے قبول فرمائیں، کوئی بات بھی قابلِ قبول نہ ہو تو کالائے بد بریش خاوند، اس پرچہ کو چاک فرمادیں، رَدّ و قدح، مناظرہ اور جواب الجواب سے بندہ کو معذور خیال فرمادیں کہ یہ ناکارہ اس میدان میں کودنے کو آمادہ نہیں ہے۔

بندہ کے نزدیک عوام میں ایسے اُمور کا پھیلانا دینی حیثیت سے مضر ہے کہ وہ حدودِ دین میں نہیں رہتے، کسی ایک جانب کو جو بادی الرای میں ان کی سمجھ میں آجائے نہایت شد و مد سے لے کر دوسری جانب افراط و تفریط شروع کر دیتے ہیں۔ لہٰذا مختصراً عرض ہے کہ

(۱) بندہ کے نزدیک مغفورٌ لھم سے مغفرتِ اُولیٰ مُراد ہے جس سے دخولِ جنّتِ اُولیٰ ہی مُراد ہے۔ اس کے باوجود ابن التین وغیرہ کو جو مشکلات پیش آتیں وہ آئندہ عرض کروں گا اور اگر دخولِ غیر اُولیٰ ہی مُراد ہو تب بھی کوئی مانع نہیں۔

اس صورت میں تبشیر کا مقصد ان کی موت علی الایمان کی بشارت ہے کہ اس صورت میں

منتہٰی کے اعتبار سے دخولِ جنّت مُراد ہے اور تبشیر عدم خلود فی النّار کی ہے۔

(۲) اس کا جواب بھی معلوم ہوگیا کہ یہ یقیناً خاص حالات میں مخصوص تبشیر ہے اور اس حدیث پاک کا مقتضٰی یہی ہے کہ ان جملہ شرکاء جیش کی جن میں یزید بھی ہے۔ مغفرت کی بشارت ہے۔

(۳) یہ تو ظاہر ہے کہ تبشیرات شرائط کے ساتھ مقید ہُوا کرتی ہیں۔ اس کی نظیر تو آپ نے خود ہی اپنے سوال نمبر نو میں لکھ دی۔ اس کے علاوہ بھی کُتب فضائل اعمال میں بہت سی نظریں ملیں گی جو کُتب حدیث کی معمولی ورق گردانی سے بکثرت مل سکتی ہیں۔ فضائل وضو، فضائلِ نماز، فضائل جہاد، روزہ، حج وغیرہ کے فضائل میں بکثرت تبشیرات ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ سب مقید بقیود ہیں، کیا یہ عقل میں آتا ہے کہ آدمی ہزاروں گناہ کرتا رہے اور وضو سب کو ساتھ ساتھ دھوتی رہے۔

(۴) یہ تو ظاہر ہے کہ جو شرط اس حدیث مغفورٌ لھم مانی جائے وہ سب ہی جگہ ملحوظ ہوگی اور آپ نے تو نمبر پانچ میں خود ہی تسلیم کرلیا کہ ابن التین جو شرط لگاتے ہیں وہ بات صحیح اور تسلیم تو ہے۔

(۵) آپ کا یہ ارشاد کہ یہ بات صحیح تو ہے، مگر اس کا طرزِ بیان شرط و جزا سے ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ دونوں طرح کے سیاق کثرت سے احادیث میں ملیں گے۔ اسی حجۃ الوداع کے قصّہ میں مشکوٰۃ کے اسی باب میں جس سے آپ نے حدیث مندرجہ سوال نمبر نو نقل کی ہے حضرت جابرؓ کی حدیث میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا پاک ارشاد اشھدکم انی غفرت لھم ہے۔

اس ناکارہ کے رسالہ فضائل رمضان میں متعدّد روایات بغیر شرط و جزاء کے آپ کو ملیں گی۔ مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت یغفر لھم فی آخرہ اور حضرت انسؓ کی روایت اذا کان یوم عید ھم باھٰی بھم ملئکتہ فقال یاملائکتی ماجزاء اجیر وَفٰی عملہ، قالوا ربّنا جزاؤہ ان یوفی اجرہٗ قال ملائکتی عبیدی وامائی قضوا فریضتی علیھم ثم خرجوا یعجون الی الدعاء[1]

---

[1] فضائل رمضان ص ۴۰

وعزتی وجلالی وکرمی وعلوّی وارتفاع مکانی لا جیبنھم فیقول ارجعوا فقد غفرت لکم و بدلّت سیاتکم حسنات قال فیرجعون مغفورًا لھم کیا آپ اس حدیث کے جو مؤکد بالا خلاف بھی ہے۔

مغفورًا لھم اور حدیثِ قسطنطنیہ کے مغفورٌ لھم میں کوئی فرق کریں گے؟ جبکہ یہاں بھی شرط وجزاء نہیں ہے، یا اس حدیث کی بنا پر جملہ صائمین کو دخول اولیٰ بخشیں گے چاہے کتنے ہی فسق و فجور کے مرتکب ہوں اور کتنے ہی قتل عمد اور نہب و غارۃ کے مرتکب یہ صائمین ہوں اس نوع کی بکثرت روایات آپ کو ملیں گی۔

(۶) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کی جتنی بشارتیں احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوں گی چاہے وہ افراد کی ہوں جیسا کہ عشرہ مبشرہ وغیرہ یا جماعت کی ہوں اُن سے دخولِ اولیٰ ہی مراد ہے لیکن ناوکِ شروط سب جگہ مجبورًا ماننا پڑے گا۔ ورنہ نصوص قطعیۂ قرآن و حدیث جن میں کبائر پر وعیدیں آئی ہیں وہ سب غلط کہنا پڑیں گی۔ اس کے بعد جہاں کوئی معارض نہ ہوگا، جیسا کہ عشرہ مبشرہ وغیرہ کی روایات ہیں وہ اپنے ظاہر پر رہیں گی اور جہاں بھی روایات تبشیر دوسری نصوص بالخصوص نصوص قطعیہ سے معارض ہو جائیں گی وہاں مجبورًا تاویل کرنی پڑے گی، جیسا کہ ہمیشہ اختلاف روایات کے موقعہ پر کرنا پڑتا ہے۔ یہی مجبوری ان سب حضرات اکابر کو سلفًا خلفًا پیش آئی جس کی وجہ سے حدیث قسطنطنیہ کی تاویلات کی ضرورت پیش آئی اور مختلف تاویلات اکابر سے نقل کی گئیں۔

(۷) جبکہ ان حضرات کو بخاری شریف کی حدیث کی مجبورًا توجیہ کرنی پڑی تو جمع الفوائد کی روایت (الکبیر بلین مطولاً[۱]) سے مرعوب ہونا تو مشکل ہے اور ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاک ارشاد کے بعد کسی غوث، قطب کو کیا حق ہو سکتا ہے کہ خلافِ شرع کچھ کہہ سکے جبکہ خود سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلّم کو لقد کدت ترکن الیھم شیأً قلیلا پر لاَ ذقناک ضعف الحیات و ضعف الممات کا ارشاد عالی وارد ہوگیا، لیکن جب یہ روایات ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزائہ

---

[۱] جمع الفوائد صـ۲۱۸ جلد دوم، مطبوعہ مطبعہ خیریہ میرٹھ

جھنم خالدًا فیھا و غضب اللہ علیہ ولعنہ (الآیۃ) کی وعیداتِ قطعیہ کے خلاف ہو جائیں تو غوث قطب نہیں بلکہ عام مومن بھی روایت کی تاویل و توجیہ کی طرف دوڑے گا۔

یہ امر آخر ہے کہ یزید اس آیت کا مصداق ہے یا نہیں، لیکن جن کے نزدیک اس آیت کے مصداق میں داخل ہے۔ وہ ایک بخاری یا جمع الفوائد کیا نصِ قطعی کے مقابلہ میں سب اخبار آحاد کو رَد کریں گے یا توجیہ کریں گے۔

(ب) بالفرض سے جو آپ نے لکھا وہ تو نیت سے تعلّق رکھتا ہے جس کا اس ناکارہ کو تو علم نہیں کہ کس خیال سے قتل کیا تھا اس لیے یہ ناکارہ تو کوئی حکم نہیں لگاتا، مگر ابن التین، تفتازانی وغیرہ متشددین کے نزدیک اگر محض حصول سلطنت اور اپنے وقار کا مخالف اور دنیوی اغراض کے خیال سے قتل کیا ہو تو وہ سب کچھ کہیں گے

آپ نے حضرت عمرؓ کا ارشاد اتقیا اللہ الخ کا حوالہ تحریر نہیں فرمایا کہ حدیث کی کونسی کتاب میں ہے اور بندہ اس وقت مراجعتِ کُتب سے معذور ہے مگر جمع الفوائد کے جس باب سے آپ نے ام سلمہ کی حدیث بالا نقل فرمائی اس باب میں ابن عمر کی یہ حدیث آپ نے ملاحظہ نہیں فرمائی انظروا الی ھٰذا یسألنی عن دم البعوض وقد قتلوا ابن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم وفی روایۃ تسالونا عن قتل الذباب وقد قتلتم ابن بنت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم وفی اخری ما اسالھم عن الصغیرۃ واجراھم علی الکبیرۃ[1] (للبخاری) اگر ابن عمر کے نزدیک یہ آپ کی مندرجہ حدیث کے تحت میں تھا اور ان کا قتل مامور بہ تھا تو وہ قاتل کو اجراء علی الکبیرۃ نہ فرماتے۔

میرے خیال میں حضرت ابن عمر کا ذکر آپ نہ فرماتے تو آپ کے لیے زیادہ مفید ہوتا کیونکہ وہ آپ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں کہ وہ قاتلین کو مرتکب کبیرہ بتاتے ہیں۔ حدیث اقتلوہ کائنا من کان اگر مشہور ہے لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق بھی شہرت میں کم نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ ہی مشہور ہے اور من رأی منکرًا فلیغیرہ بیدہ (الحدیث)

---

[1] جمع الفوائد ص ۲۱۷ جلد دوم

دونوں سے زیادہ مشہور ہے ولتاخذن علی یدی الظالم ولتاطرنہ علی الحق اطرًا ولتقصرنہ علی الحق قصرًا اَوْ لیضربن اللہ قلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعنکم کما لعنھم بھی حضورؐ ہی کا ارشاد ہے۔

نیز جب حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے مامور و مرسل امیر کے متعلّق یا امر کے خلاف کرنے کی صورت میں معزول نہ کرنے پر ناراضی کا اظہار فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث ہے۔

لو رأیت مالا منا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قال اعجزتم اذا بعثت رجلا منکم فلم یمض لامری ان تجعلوا مکانہ من یمضی لامری[2]

تو اگر امام حسین اپنے کو اس سے عاجز نہیں سمجھتے اور اس ارشاد کی تعمیل کی سعی فرماتے ہیں تو وہ کیسے وعیداتِ بالا میں داخل ہوں گے اور جو حضرات عوارض یا عدم قوّت کی وجہ سے یا فتنہ کے خوف سے اپنے کو عاجز سمجھتے ہیں ان کو یقیناً روکنا ہی چاہیے تھا۔ اس لیے جن حضرات صحابہ کرام نے شرکت سے روکا ان پر بھی اشکال نہیں اور جنھوں نے منکر کو روکنے کی سعی فرمائی اُن پر بھی ملامت نہیں۔

(۸) یقیناً یہ وحی بھی ہے، بشارت بھی ہے، دخولِ اولی بھی ہے اور جو جو آپ فرمانا چاہیں وہ سب کچھ ہے، لیکن خبر واحد ہے قطعی نہیں ہے، اس لیے جب اُن نصوص قطعیہ کے خلاف ہوگی جن میں کبائر اور قتل عمد وغیرہ پر وعیدیں ہیں تو لامحالہ کوئی توجیہ کرنی پڑے گی۔ اسی لیے اکابر سلفًا خلفًا توجیہات فرماتے رہے

(۹) یہ نمبر بالکل سمجھ میں نہیں آیا، میرے خیال میں تو اس نمبر میں آپ نے سابقہ دلائل کا سب کا خود ہی رَد کر دیا۔ سلم وسلامتی والا اسلام اور شان رحمت للعالمینی اور مالک کی غفاریت اور رحمانیت کی رُوح اپنی جگہ لیکن وہی سلم وسلامتی والا اسلام حدود و قصاص پر کتنا زور دیتا ہے۔ وہی رحمت للعالمین جن کی شان رأفت اور رحمت للعالمین ہونا نص قطعی ہے، لیکن ان ہی

---

[1] مشکوٰۃ۔ مطبوعہ رشیدیہ دہلی　[2] ابوداؤد شریف

کی صفات میں اذا انتهك من محارم الله تعالیٰ شیئ کان من اشدهم فی ذٰلك غضباً[1]
بھی ہے۔ وہ فتح مکہ کے عفو عام میں سے چند کو یہ کہہ کر مستثنیٰ بھی فرمادیتا ہے کہ لا اُو منهم
فی حل ولا حرم ، اور ابن خطل کے تعلق باستار الکعبہ کے باوجود اُقتله کا حکم فرماتا ہے۔
مالک اور ارحم الراحمین اپنی ساری رحمت کے باوجود قرآن پاک میں اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ
بعهدالله وایمانهم ثمنا قلیلا اولٰئك لا خلاق لهم فی الاٰخرة ولا یکلمهم الله
ولا ینظر الیهم یوم القیامة ولا یزکیهم ولهم عذابٌ الیم۔ بھی فرماتا ہے۔ وہ انزلنا
علی الذین ظلموا رجزا من السَّماءِ بما کانوا یَفْسُقُوْنَ بھی فرماتا ہے۔ جو سیّد الکونین کو بھی
ولئن اتبعت اهوا ئهم من بعد ما جاءك من العلم انك اذًا لمن الظالمین فرماتا ہے جو
من لم یحکم بما انزل الله فاولٰئك هم الظالمون فرماتا ہے جو ثُمَّ قیل للّذین ظلموا
ذوقوا عذاب الخلد بھی فرماتا ہے جو انا اعتدنا للظالمین نارًا احاط بهم سرا دقها بھی
فرماتا ہے جو قدخاب من حمل ظلما بھی فرماتا ہے ، جو الذین ظلموا من هٰؤلاء سیصیبهم
سیأت ماکسبوا فرماتا ہے جو لا یرد باسنا عن القوم المجرمین فرماتا ہے جو انا من المجرمین
منتقمون بھی فرماتا ہے وہ وامتازو الیوم ایُّها المجرمون بھی فرماتا ہے، ان المجرمین فی
عَذابِ جهنّم خٰلدونَ بھی فرماتا ہے انَّ المجرمین فی ضلالٍ وسعر۔ یوم یسحبون فی النار
علیٰ وجوهِهِمْ ذوقُوامسَّ سَقر بھی فرماتا ہے۔ ومن یکتسب خطیئةً او اثمًا ثمَّ یرم
به بریئاً فقد احتمل بهتانًا واثمًا مُّبینا. بھی فرماتا ہے وکفیٰ بربك بذنوب عبادهٖ
خبیرًا بصیرًا بھی فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ کسبُوا السَّیِّاٰت اور اَلَّذِیْنَ فسقوا فماواهُم
النَّار بھی فرماتا ہے۔
کہاں تک نقل کروں، قرآن پاک کی سینکڑوں آیات ان مضامینِ وعید پر مشتمل ہیں، آپ
خود غور کریں کہ جن لوگوں کی تحقیق میں یزید ظلم تعدی فسق وفجور کی آیات میں داخل ہو اس کو
بخاری شریف کی ایک روایت مغفور لّهم میں داخل ہونا کیسے بچا سکتا ہے۔

---

[1] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ امر آخر ہے کہ وہ ان میں داخل ہے یا نہیں ؟ لیکن اگر داخل ہو تو آپ ہی بتائیں کہ آپ کیا کہیں گے آپ خود مجبور ہوں گے اسی کے کہنے پر جو تفتازانی وغیرہ نے کہا ۔

آپ نے اس موقعہ پر عرفہ والی روایت مغفرت عامہ کی اپنی تائید میں لکھی مجھے حیرت ہے کہ یہ حدیث آپ نے کیوں لکھ دی یہ حجۃ لکم ہے یا حجۃ علیکم ، اس نے تو آپ کی ساری تحریر کا خود ہی جواب بتا دیا ، کیا اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ سال بھر قتل وغارت کرتے رہیں ، خُوب لُوٹ مار کریں ، مسلمانوں کا قتل عام کریں ۔ ان کے مالوں کو لوٹیں ، نہ نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں ، کوئی معروف نہ کریں ، کوئی منکر نہ چھوڑیں ، عمر بھر ایک مرتبہ حج کر لیں پھر عمر بھر کو اُن کی چھٹی ہے ۔ جو جو مظالم چاہیں کرتے رہیں وہ سب باری عزاسمہ کے ذمّہ اور حقوق اللہ اور اس کے محارم کا انتہاک سب معاف ۔ میری سمجھ میں بالکل نہیں آتا کہ آپ نے یہ حدیث کیوں لکھ دی جس کے متعلق ملّا علی قاری نے ضعفہ غیر واحد من الحفاظ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ظاهر الحديث عموم المغفرة و سمولها حق الله وحق العباد الا انه قابل للتقييد بمن كان معه صلّى الله عليه وسلّم فى تلك السنة او بمن قبل حجه بان لم يرفث ولم يفسق ـ ومن جملة الفسق الاصرار على المعصية وعدم التوبه ومن شروطها اداء حقوق الله الفائتة وقضاء حقوق العباد اور بحث کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ اذا تاملت ذلك كله علمت انه ليس فى هذه الاحاديث ما يصلح متمسكا لمن زعم ان الحج يكفر التبعات لان الحديث ضعيف بل ذهب ابن الجوزى الى انه موضوع اور یہ بھی لکھا ہے قال البيهقى فلا ينبغى لمسلم ان يغير نفسه بان الحج يكفر التبعات ـ فان المعصية شؤم وخلاف الجبار فى اوامره ونواهيه عظيم واحد نالا يصبر على حمى يوم اووجع ساعة فكيف يصبر على عقاب شديد ، وعذاب اليم[1] اس ناکارہ کی شرح موطا اوجز المسالک میں بھی اس مسئلہ پر مختصر بحث ہے جس میں قاضی عیاض کا یہ قول بھی نقل کیا ہے اجمع اهل السنة ان الكبائر لا يكفرها الا التوبة ولا قائل

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ ص۲۲۱ جلد ثالث

بسقوط الدین ولوحقا للہ کدین صلوٰۃ وزکوٰۃ ـــــ اور اسی میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ من اعتقد ان الحج یسقط ماوجب علیہ من الحقوق یستتاب والاقتل ولا یسقط حق الآدمی بحج اجماعًا۔ [1] حالانکہ مختلف طاعات کے مکفر سیئات ہونے کے بارہ میں بہت کثرت سے روایات وارد ہوئی ہیں لیکن نصوص قطعیہ کے خلاف کی وجہ سے اکابر اُمّت کو سلفًا خلفًا ان کی توجیہاتِ مختلفہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس صورت میں اگر بخاری شریف کی ایک حدیث کے مغفورٌ لہم کی توجیہات کرنی پڑیں تو کیا استحالہ ہے۔

درحقیقت آپ نے عبّاس بن مرداس والی حدیث لکھ کر عُلماء کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ ابن التین کے فیصلہ کو آپ کے فیصلہ پر ترجیح دیں۔

آپ نے لکھا کہ ابن التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ مغفورلہم نے ان کو بدحواس اور تاویلات پہ آمادہ کر دیا لیکن آپ ہی اپنے اقرار کی رو سے دیکھیں کہ عبّاس بن مرداس کی حدیث میں بھی وہی صیغہ ہے جو قسطنطنیہ والی حدیث میں ہے تو کیا آپ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احترام و تقدیس اور انعام خداوندی کی خاطر یہ فتوٰی دیتے ہیں کہ سارے مسلمان خوب قتل وغارت، حرام کاری، زناکاری وغیرہ ہر منکر کرتے رہیں، کسی معروف کے پاس نہ پھٹکیں، کسی منکر سے ذرا بھی نہ بچیں، البتہ عمر بھر ایک حج کرلیں، پھر مزے ہی مزے ہیں۔

اس میں ذرا تصنع نہیں کہ میری عقل بالکل حیران ہے کہ یہ عرفہ والی حدیث آپ نے کیا سوچ کر لکھ دی، ابن التین کے حامیوں کی خود ہی رہنمائی کی کہ بخاری شریف کی حدیث مغفورٌ لہم قابلِ تاویل ہے۔ اس لیے کہ عرفہ والی حدیث کے بھی بقول آپ کے وہی لفظ ہیں اور وہ قطعًا مُاَوّل ہیں، وہ اپنے ظاہر پر اگر رہیں تو آخرت میں جو ہوگا سو ہوگا۔ دُنیا میں بھی ظھر الفساد فی البرو البحر قائم ہوجائے گا۔ نہ معلوم ابن التین کی مخالفت میں آپ خود کہاں پہنچ گئے۔

۱۰ بندہ کے خیال میں نمبر نو کے بعد اس کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں آپ نے کوئی نئی بات نہیں لکھی بلکہ اسی کا دوسرے الفاظ میں اعادہ کر دیا۔ میں ابن التین کی طرف سے

---

[1] اوجز المسالک جلد ثالث

آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب عرفہ والی حدیث اور قسطنطنیہ والی حدیث کے الفاظ بقول آپ کے ایک ہی ہیں اور اس جہاد میں مرتکبین کبائر قاتل مُسلم آمر بالقتل وغیرہ سب ہی ہوں گے جیسا کہ مغفورٌ لہم سے معلوم ہوتا ہے اور سب کے جملہ معاصی و مظالم معاف جنّت کا دخول اولیٰ اُن کے لیے طے شدہ ہے تو پھر ساری دُنیا کے بدمعاش، لٹیرے، زانی، شرابی، بے نمازی، روزہ خور، سودخوار کیوں حج سے مغفورٌ لہم نہیں بنیں گے۔

کسی حاجی کا چاہے وہ حج سے قبل اور بعد کتنا ہی بدکار قاتل مسلمین کیوں نہ رہا ہو، جنت میں دخول اُولیٰ طے ہے اور ایک حج ہی کیا فضائل اعمال کی احادیث میں تکفیر السیئات اس کثرت سے وارد ہیں لاتعدولا تحصیٰ، لیکن اس کے ساتھ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ المفلس من امتی من یاتی یوم القیامۃ بصلوٰۃ و بصیام وزکوٰۃ و یاتی قد شتم ھذا و قذف ھٰذا واکل مال ھذا وسفك دم ھٰذا وضرب ھٰذا فیعطی ھٰذا من حسناتہ وھٰذا من حسناتہ (الی اٰخر الحدیث رواہ مسلم) حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پاک ارشاد آپ کے زعم باطل کے مطابق ضرور سچا ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا پاک ارشاد ——————

—————— ومن یقتل مؤمنًا متعمدًا فجزائہ جھنم خالدًا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہٗ عذابًا عظیما۔ بلا سے غلط ہو جائے۔

آپ نے آخر میں حدیث قدر کو بھی پیش کیا۔ بندہ اپنے قلت فہم کی وجہ سے اس استدلال کے سمجھنے سے قاصر ہے اس لیے کہ بندہ کو علم نہیں کہ علاّم الغیوب نے یزید کی تقدیر میں کیا لکھا تھا۔ آپ کے علم میں اگر ہے تو یقیناً حدیث سے استدلال کرلیں، اس ناکارہ نے قرآن پاک میں قل ماکنت بدعًا مّن الرّسل وما ادری مایفعل بی ولا بکم پڑھا ہے اور بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد دیکھا ہے۔ انّ اناسًا کانوا یؤخذون بالوحی فی عھد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وان الوحی قد انقطع وانما ناخذکم الاٰن بماظھر لنا من اعمالکم فمن اظھر لنا خیرًا آمناہ وقربناہ ولیس الینا من سریرتہ شئ اللہ محاسبہ فی سریرتہ۔ ومن اظھر لنا سوءً لم نأمنہ ولم نصدقہ وان قال انّ سریرتہ حسنۃ۔[1] اس لیے ہم لوگ تو ظاہر حال ہی کے موافق

---

[1] بخاری شریف جلد دوم ص ۳۶۰

حکم لگا سکتے ہیں باطن احوال یا مقدرات کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس لیے جن کا ظاہر فسق و فجور ہیں مبتلا ہو اس کو عشرہ مبشرہ کی لائن میں شمار کرنا مشکل ہی ہے۔

یہ سب تو آپ کے استفسارات کے متعلق ہے، خود یہ ناکارہ اس مسئلہ میں حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہٗ کا متبع ہے۔ ایک طویل سوال کے ذیل میں حضرت قدس سرہٗ کا جواب یہ نقل کیا گیا ہے۔

"اس قدر تطویل سوال میں بے فائدہ کی ہے۔ حدیث صحیح ہے کہ جب کوئی کسی پر لعنت کرتا ہے اگر وہ شخص قابلِ لعن کا ہے تو لعنت اس پر پڑتی ہے۔ ورنہ لعنت کرنے والے پر رجوع کرتی ہے۔ پس جب تک کسی کا کفر پر مرنا محقق نہ ہو جائے اس پر لعنت کرنا نہیں چاہیے کہ اپنے اوپر عود لعنت کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں مگر جن کو محقق اخبار سے اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی و خوش تھا اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدوں توبہ کے مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یونہی ہے اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں کہ اوّل میں وہ مومن تھا۔ اس کے بعد ان افعال کا مستحل تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا۔ تحقیق نہیں ہوا بس بدوں تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں۔ لہٰذا وہ فریقِ علماء بوجہ حدیث منعِ لعن لعنت سے منع کرتا ہے اور یہ مسئلہ بھی حق ہے پس جواز لعن و عدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے، کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے نہ واجب نہ سُنّت۔ نہ مستحب محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مُبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں۔" فقط واللہ اعلم

(رشید احمد[1])

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ کراچی جلد اوّل ص ۳۹

بس یہی اس ناکارہ کا مسلک ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کے فسق و فجور کی روایات سب یکسر غلط ہیں (یہ دعویٰ) مشکل ہے جبکہ تاریخی روایات اتنی کثرت سے ہیں کہ اُن کو رد کرنا جو بحد تواتر تقریبًا پہنچ گئی ہوں تاریخ سے کلیتہً اعتماد اُٹھاتا ہے اور اگر یہ سب روایات اپنی کثرت کے باوجود رد کی جاسکتی ہیں تو پھر یہی کونسا نص قطعی ہے کہ یزید اس لشکر میں شریک تھا، یہ بھی تاریخ ہی کی روایات ہیں، مخالف کو حق ہے کہ وہ اس کی ہی تغلیط کر دے کہ یزید اس لشکر میں شریک تھا۔

آخر میں اس ناکارہ کی یہ بھی درخواست ہے کہ مسلمانوں کو اس اہم موقعہ پر دین کے اہم کاموں میں مشغول ہونا چاہیے۔ یہ بے فائدہ بحث ہے جس کا اس وقت عمل سے کوئی تعلق نہیں ہم لوگوں کے ذمہ اس مقدمہ کا فیصلہ نہیں ہے۔ عوام کی عقول ان وقائع کی باریکیوں تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ دلائل ہر فریق کے پاس نصوص سے بکثرت ہیں۔ ایسی حالت میں ایسی فضول بحثوں سے عوام میں انتشار پھیلانا اس ناکارہ کے نزدیک ہرگز مناسب نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مشہور مقولہ جس کو اُنھوں نے مشاجرات صحابہ کے متعلّق سوال پر فرمایا تلك دماء طهر الله ايدينا فلا نلوث السنتنا بها۔ آبِ زر سے لکھنے اور اسوہ بنانے کے قابل ہے۔ اس کو یہ ناکارہ اپنے رسالہ الاعتدال میں تفصیل سے لکھ چکا ہے جی چاہے تو ملاحظہ کرلیں۔

لہٰذا یزید نے جو کچھ کیا وہ لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت میں داخل ہے۔

کہاں تک روئے گا او جینے والے مرنے والے کو
کچھ اپنی فکر کر تجھ کو پرائے غم سے کیا مطلب

اس وقت مسلمانانِ عالم الحاد و دہریت میں اور اس سے بڑھ کر بھارتی مُسلمان ارتداد کے دروازہ پر ہیں مساعی جمیلہ کو اُن کے پُختہ مُسلمان بنانے میں صرف کریں جس میں نہ کسی کا اختلاف نہ کوئی آخرت کی جواب دہی کا خطرہ ووفقني الله واياكم لما يحب ويرضى۔

زکریا، مظاہر علوم (سہارنپور)
۱۱ رشوال ۱۳۸۰ھ

(ماخوذ از حضرت علیؓ اور قصاص عثمانؓ مصنّفہ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی دامت برکاتہم)

قسط: ۶ آخری

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو انوارِ مدینہ ج ۶ ش ۱۲

جاوید احمد غامدی صاحب کے افکار و نظریات

"قانونِ میراث" کا تنقیدی جائزہ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

جاوید غامدی صاحب نے "رسالت اور تصوّف" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جس میں اُنھوں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ صُوفیا نہ صرف حریم نبوّت میں نقب لگانے کے مجرم ہیں بلکہ اس کے بعد یہ خُدا کی بادشاہی میں شریک ہونے کے دعویدار ہیں اور اُس کے لیے اُنھوں نے امام غزالی، شاہ ولی اللہ حضرت مجدّد الف ثانی اور شاہ اسمٰعیل شہید رحمہم اللہ جیسے حضرات کی کتابوں سے حوالے نقل کیے ہیں۔

تصوّف کا میدان اور ان جیسے حضرات کا کلام! غامدی صاحب نے اس میں دخل دے کر اپنی حقیقت خود ہی کھول دی۔ کہاں یہ لوگ کہ جو اسلامی دُنیا کے مسلمہ امام ہیں اور جن سے اللہ تعالیٰ نے احیائے دین کا کام لیا اور کہاں غامدی صاحب جیسے لوگ کہ جو نہ نقلی دلائل سے کما حقہ واقف نہ عقلی دلائل سے ان کو کچھ مس اور نہ اسرار و حقائقِ روحانیت سے جن کو کچھ تعلّق۔ پھر اُن کی جرأت دیکھئے کہ ان اماموں کے منہ کو آتے ہیں اور بڑی ڈھٹائی سے اپنی جہالت کی سیاہی سے ان کے دامن کو داغدار کرنا چاہتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اوندھے مُنہ گراتے ہیں جو اس کے دوستوں سے عداوت رکھتے ہیں۔

غامدی صاحب کا اپنے مضمون پر استدلال

"قرآن مجید کی رو سے نبوّت محمدؐ عربی صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ختم ہوگئی۔ اس کے معنی بالبداہت یہی ہیں

کہ اب نہ کسی کے لیے وحی والہام اور مشاہدۂ غیب کا کوئی امکان ہے اور نہ اس بنا پر کوئی عصمت وحفاظت اب کسی کو حاصل ہوسکتی ہے۔ ختم نبوّت کے یہ معنی خود نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بالطراحت بیان فرمائے ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے۔

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات قالوا وما المبشرات ؟ قال الرؤیا الصالحۃ"۔	نبوّت میں سے صرف مبشّرات باقی رہ گئے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا: یہ مبشّرات کیا ہیں؟ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اچھا خواب (ص ۲۷، ماہنامہ اشراق اگست ۹۳ء)

جواب

اس حدیث سے غامدی صاحب نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت کے بعد عصمت، مشاہدۂ غیب اور الہام وغیرہ کے دعوے باطل ہیں اور زیادہ سے زیادہ اچھے خواب دیکھے جاسکتے ہیں۔ اُن کے اسی استدلال پر صوفیاء کی گمراہی کا دارومدار ہے، لیکن غامدی صاحب کا یہ استدلال مندرجہ وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ خود بخاری ہی میں یہ حدیث ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا

لقد کان فیمن کان قبلکم ناس محدثون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن فی امتی احد فانہ عمر

تم سے پہلے جو ہوئے اُن میں سے ایسے لوگ بھی تھے جن سے فرشتے کلام کرتے تھے اگرچہ وہ انبیاء نہ تھے اور اگر میری اُمّت میں بھی کوئی ایسا ہے تو وہ عمر ہیں۔

اس حدیث میں اِنْ (یعنی اگر) کا لفظ شک کے لیے نہیں ہے بلکہ تحقیق وتاکید کے لیے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس اُمّت میں بھی ایسے لوگ ہیں اور ہوں گے اور ان میں سے ایک عمر ہیں یہ اسلوب ایسا ہی ہے جیسے ہم کہتے ہیں اگر اس محلّہ میں کوئی نیک آدمی ہے تو وہ زید ہے کیونکہ اس جملہ سے ہم شک کا اظہار نہیں کر رہے ہوتے بلکہ تحقیق وتاکید کے ساتھ زید کے نیک ہونے کی خبر دیتے ہیں۔

۲۔ یہ اُمور نبوّت کے ساتھ پائے تو جاتے ہیں لیکن نبوّت کا خاصہ نہیں ہیں کہ صرف نبی میں

پائے جائیں غیر نبی میں نہ پائے جاسکیں۔ اسی لیے اُوپر کی حدیث کے مطابق پہلی اُمّتوں میں بھی ایسے لوگ ہوتے رہے جن سے فرشتوں نے کلام کیا اور جن کو مشاہدۂ غیب حاصل ہُوا۔ اگر یہ فضیلت پچھلی اُمّتوں کو حاصل رہی تو اس اُمّت کے افراد کو بھی حاصل ہو جائے جبکہ اس سے ان کو دین محمدی اور شریعت محمدیہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر مزید ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے تو قرآن و حدیث کے کس ضابطہ کے تحت اس کو تسلیم کرنا ممنوع ہے۔

۳۔ پھر یہ حضرات یعنی امام غزالی، حضرت مجدّد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ اور اُن کے علاوہ ہزاروں جلیل القدر افراد جن کو اس اُمّت کی سیادت و امامت حاصل رہی ہے اپنے مشاہدات ذکر کرتے ہیں اور یہ لوگ جھوٹے بھی نہیں تھے اور ہم اُن کے مشاہدات و تجربات کو محض نفسیاتی و دماغی خلل کا نتیجہ بھی کہہ کر نہیں ٹال سکتے۔ غامدی صاحب اگر ان حضرات کے مشاہدات و تجربات کو صحیح نہیں سمجھتے تو ان پر لازم ہے کہ وہ تجربات و دلائل سے اُن کا غلط ہونا ثابت کرتے۔

اصل بات وہی ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی کہ غامدی صاحب نے حدیث کے مضمون کو صحیح سمجھا ہی نہیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عام لوگوں کے اعتبار سے جو بات فرمائی تھی غامدی صاحب اس کو اُمّت کے ہر خاص و عام فرد پر منطبق کرنے لگے اور پھر ان کا کمال دیکھیے کہ محض ایک خبر واحد کی بناء پر اُنھوں نے ایک عظیم سرمایہ کو گمراہ قرار دے دیا۔ یہ کیسے تعجّب کی بات ہے

جاوید غامدی صاحب کا امام غزالیؒ پر اعتراض

اہلِ تصوّف کے نزدیک وحی اب بھی آتی ہے۔ فرشتے اب بھی اُترتے عالم غیب کا مشاہدہ اب بھی ہوتا اور اُن کے اکابر اللہ کی ہدایت اب بھی وہیں سے پاتے ہیں جہاں سے جبریل امین اسے پاتے اور جہاں سے یہ کبھی اللہ کے نبیوں نے پائی تھی۔ غزالیؒ کہتے ہیں۔

"من اوّل الطريق تبتدئ المكاشفات والمشاهدات، حتى انهم فى يقظتهم يشاهدون الملائكة وارواح	"اس راہ کے مسافروں کو مکاشفات و مشاہدات کی نعمت ابتدا ہی میں حاصل ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ بیداری کی حالت

الانبیاء، ویسمعون منھم اصواتًا و یقتبسون منھم فوائد۔ (المنقذ من الضلال، باب طرق الصوفیہ)

میں نبیوں کی ارواح اور فرشتوں کا مشاہدہ کرتے، ان کی آوازیں سنتے اور اُن سے فائدے حاصل کرتے ہیں۔" (ص ۲۸ اشراق اگست ۹۳)

جواب

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں کونسی بات ایسی ہے جو دین کے اور قرآن کے خلاف ہو۔ خود غامدی صاحب کے استاذ امام امین احسن اصلاحی صاحب ہاروت اور ماروت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"یہاں فرشتوں کے تعلیم دینے کے معاملہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے جس سے بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگوں کو انسانی روپ میں تعلیم دیتے تھے۔ اگر یہ بات ہوتی تو اس میں کوئی خاص اشکال نہیں ہے۔ متعدد واقعات کا خود قرآن سے پتہ چلتا ہے جب فرشتے انسانوں کے اندر خود انسانوں کی شکل وصورت میں نمایاں ہوئے ہیں، لیکن امکان اس بات کا بھی ہے کہ عملیات کے دلدادہ لوگ کسی خاص قسم کی ریاضت اور چلّہ کشی کے ذریعہ سے ان سے روحانی قسم کا ربط پیدا کر کے یہ تعلیم حاصل کرتے رہے ہوں۔ اگر مطلب یہ لیا جائے تو قرآن کے الفاظ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس کے خلاف جاتی ہو۔ (تدبرِ قرآن ج ۱ ص ۲۴۳)

پھر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہ ثابت کرنا کہ وہ اس کے قائل ہیں کہ وحی اب بھی آتی ہے محض الزام تراشی ہے۔ وہ وحی جو انبیاء علیہم السّلام کا خاصہ ہے وہ کلام الٰہی ہوتا ہے جو تبلیغ کے لیے کسی نبی کی طرف نازل کیا جاتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں ایسی کوئی بات بھی تو ذکر نہیں۔ محض کسی فرشتے کو دیکھ لینا یا اس کی کوئی فائدہ مند بات سُن لینا اس پر اصطلاحی وحی کا اطلاق کرنا غامدی صاحب جیسے لوگوں کا ہی خاصہ ہے۔

غامدی صاحب کا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے حوالہ سے صوفیاء کے لیے عصمت ہونے کا اعتراض

"ان اکابر کا الہام، ان کی عصمت کی وجہ سے قرآنِ مجید ہی کی طرح ہر شائبہ باطل سے پاک اور ہر شُبہہ سے بالا ہوتا ہے۔ صاحبِ "عبقات" اس ہستی کے بارے میں جو ان کے نزدیک مقامات

میں سے پہلے مقام پر فائز ہوتی ہے لکھتے ہیں:

فھو وجیہ معصوم صاحب ذوق حکیم ثم ان مما یقتضی تربیۃ اللّٰہ فی قیامہ بمنصبہ فھذا الالقاء یسمّٰی تفھیمًا و ان مما یقتضی تیقظ روحہ و عصمتہ الّا یختلط بعلومہ شیئٌ مغائر لما تلقاہ من الغیب ولذٰلک کانت الحکمۃ کلّھا حقالا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ ولمّا کان التفھیم من اعلی اقسامھا فلا بعد ان یسمّٰی بالوحی الباطن۔

(الاشارۃ الاجمالیۃ الی مراتب کمال النفس، "عبقہ")

"چنانچہ یہ ہستی صاحبِ وجاہت معصوم صاحبِ ذوق اور صاحبِ حکمت ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کی تربیت کے پیشِ نظر اس پر وہ علوم القا فرماتے ہیں جو اس کے منصب کی ذمّہ داریوں کو پورا کرنے میں اس کیلیے نافع ہوتے ہیں۔ اس القا کو تفہیم بھی کہتے ہیں پھر اس کی عصمت اور اس کی رُوح کی بیداری کا ایک تقاضا یہ بھی ہوتا ہے کہ اس نے جو کچھ غیب سے پایا ہے اس میں اس کے سوا کسی دوسری چیز کی آمیزش نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسکی حکمت تمام تر حق ہی ہوتی ہے جس میں باطل نہ آگے سے کوئی راہ پا سکتا ہے نہ پیچھے سے اور یہ تفہیم چونکہ اس حکمت کی سب سے اعلیٰ قسم ہے، اس وجہ سے اسے اگر 'وحیِ باطن' سے تعبیر کیا جائے تو یہ کوئی بعید تعبیر نہ ہوگی۔"

جواب

اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے ہم شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کے کیے جانے والے اعتراض کا جو جواب دیا ہے اسے نقل کرتے ہیں۔ غامدی صاحب نے اعتراض ان کی کتاب عبقات کے ایک اقتباس کو لے کر کیا ہے حالانکہ شاہ صاحب نے اسی کتاب میں یہ اعتراض اور تفصیلی جواب بھی تحریر فرمایا ہے۔ غامدی صاحب نے محض اپنے مطلب کی بات لے کر امانت اور دیانت کا جنازہ نکال دیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

قد اصر قوم علی ان العصمة لا تثبت لغیر الانبیاء فان کان مرادھم انہ لم یثبت من الشرع عصمة غیرھم فمع ما فیہ من لزوم تاویل امثال قولہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم الحق ینطق علی لسان عمر و دار الحق مع علی حیث دار فلیس لنا ان نجادل معھم فی ھذا المقام اذ لسنا بصدد ان نثبت ھذہ المقامات بالنصوص الشرعیة وان کان مرادھم انھا لا تثبت فی نفس الامر فلا بد لہ من دلیل اذا قضی ما یدعی فیہ ان الشرع ساکت عن عصمة غیر الانبیاء والسکوت عن الشیٔ لا نفیہ

والتفصیل ان العصمة عصمتان عصمة مطلقة وھی ما تکون فی جمیع الافعال والاقوال والعلوم وعصمة مقیدة وھی ما تکون فی افعال واقوال وعلوم خاصة ای المتعلقة بمنصب أرید قیام ھذا الشخص بہ وایضا لھا تقسیم آخر وھی انھا ظاھرة ان ثبتت بالشرع ضرورة وخفیة ان لم تکن کذلک ولھا تقسیم آخر وھی انھا دائمة ان کانت ثابتة للشخص من اوّل الولادة الی موتہ وحادثة ان ثبتت بعد ظھور آثار الروح الملکوتی ولو ادنی ظھور کالدخول فی الاسلام أو الاخذ فی المجاھدة أو الفوز بالولایة الصغریٰ أو غیر ذلک فالعصمة المطلقة الظاھرة الدائمة للانبیاء وغیرھا لغیرھم۔ (عبقہ ۱۱)

ترجمہ: بعض لوگوں کو اس مسئلہ پر شدّت سے اصرار ہے کہ پیغمبروں کے سوا "عصمت" کی صفت کا انتساب کسی دوسرے کی طرف جائز نہیں ہے مگر سوال یہ ہے کہ ان کا اس سے کیا مطلب ہے؟ اگر یہ غرض ہے کہ پیغمبروں کے سوا کسی دوسرے کے لیے عصمت کی صفت شریعت سے ثابت نہیں ہے تو علاوہ اس اعتراض کے یعنی آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے حضرت عمرؓ کے متعلّق فرمایا ہے کہ الحق ینطق علی لسان عمر حق عمر کی زبان پر بولتا ہے۔

یا حضرت علی مرتضی کے متعلّق حضور صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ

دار الحق مع علی حیث دار علی کے ساتھ حق گھوم گیا جدھر بھی علی گھومے

پیغمبر کے ان اقوال کی یا ان ہی جیسے دوسرے اقوال جن کا مفاد بھی یہی ہے ان سب کی خواہ مخواہ

تاویل کرنی پڑے گی اور اصل تو یہ ہے کہ اس حیثیت سے میں گفتگو ہی نہیں کر رہا ہوں کیونکہ (پہلے ہی بتا چکا ہوں) کہ ان مسائل اور ان مقامات کے متعلق میں شرعی نصوص کے پیش کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

اور اگر ان کی غرض یہ ہے کہ واقعہ میں پیغمبروں کے سوا عصمت کی صفت کسی دوسرے انسان کے لیے ثابت نہیں ہوسکتی تو ظاہر ہے کہ اس دعویٰ کے اثبات میں دلیل پیش کرنا اُن کا فرض ہے، کیونکہ شرعی طور پر زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوسکتا ہے کہ شریعت پیغمبروں کے سوا دوسروں کی عصمت کے متعلق خاموش ہے، لیکن کسی چیز سے خاموشی کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ شریعت اس کی منکر ہے۔

درحقیقت مسئلہ تفصیل طلب ہے، یعنی عصمت کی دو قسمیں ہیں، ایک عصمتِ مطلقہ جس کا مطلب یہ ہے کہ (زندگی کے سارے شعبوں) اقوال و اعمال و افعال و علوم میں عصمت کو ثابت کیا جائے اور دوسری قسم اسی کی عصمتِ مقیدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خاص خاص قسم کے افعال و اعمال و اقوال و علوم میں عصمت کو ثابت کیا جائے۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جائے کہ جس منصب کے فرائض اس شخص کے سپرد ہوئے ہیں اس منصب سے جن اُمور کا تعلّق ہے ان میں وہ معصوم ہوتا ہے یعنی غلطی ان خاص اُمور میں اس سے صادر نہیں ہوسکتی۔

عصمت ہی کی تقسیم کی ایک شکل یہ بھی ہے یعنی ایسی عصمت جس کا ثبوت بداہتاً شریعت میں مل رہا ہو اس کو عصمتِ ظاہرہ کہہ سکتے ہیں اور جس کا ثبوت مذکورہ بالا نوعیّت کے ساتھ مہیّا نہ ہو اس کا عصمتِ خفیہ نام رکھا جاسکتا ہے۔ تقسیم کی ایک صُورت یہ بھی ہے، یعنی جس شخص کے لیے عصمت کی صفت ثابت کی وہ پیدائش سے موت تک معصوم ہو اس کا نام عصمتِ دائمہ یا دوامی عصمت ہے، اسی کے مقابلہ میں عصمت ہی کی ایک قسم یہ بھی ہوسکتی ہے کہ زندگی کے کسی خاص انقلاب کے بعد عصمت کی صفت اس کے لیے ثابت ہو مثلاً رُوحِ ملکوتی کے آثار کا ظہور جب ہونے لگے، خواہ کسی درجہ کا ظہور ہو تو اس کے بعد اس شخص میں جس میں رُوحِ ملکوتی کا ظہور ہُوا ہو عصمت کی صفت پائی جانے لگے اس کا نام "عصمتِ حادثہ" رکھا جا سکتا ہے۔

باقی مَیں نے جو یہ کہا کہ رُوح ملکوتی کا ظہور کسی درجہ میں بھی ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً اسلام میں داخل ہونے کے بعد یا مجاہدہ کے آغاز کے بعد یا ولایتِ صغرٰی سے سرفرازی کے بعد یا اسی قسم کی کسی کیفیّت کے بعد آدمی کا ایسا حال ہو جائے جس کے بعد غلطی اور گناہ کا اس سے صدور نہ ہو۔

(بہرحال ان تقسیموں کے بعد فیصلہ کی صُورت یہ ہو سکتی ہے) کہ عصمت جو مطلقہ ظاہرہ دائمہ ہو یہ تو صرف پیغمبروں ہی کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے سوا عصمت کی دوسری قسمیں پیغمبروں کے سوا دوسرے انسانوں میں بھی پائی جا سکتی ہیں۔

غامدی صاحب کا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے حوالے سے صوفیہ پر ایک اور اعتراض

اُن کے نزدیک، یہ ہستی اگر نبی کی مقلد بھی بظاہر نظر آتی ہے تو صرف اس وجہ سے کہ اُسے غیب سے اس کی تائید کا حکم دیا جاتا ہے، ورنہ واقعہ یہی ہے کہ وہ ہدایتِ الٰہی اور علومِ غیب کو پانے کے لیے کسی نبی یا فرشتے کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ فرماتے ہیں۔

فالحکیم لوجاھتہ وعصمتہ وکونہ باسطاً لحظیرۃ القدس شانہ شان الملاء الاعلی یتلقی العلوم من حیث یتلقون لا یقلد احداً فی علومہ اللّٰھم الا ان یسمّٰی موافقتہ لصاحب الشرع تقلیداً لکونہ ماموراً من الغیب بموافقتہ و تائیدہ۔ (عبقہ ۱۱)

"پس اس ہستی کا معاملہ اس کی وجاہت وعصمت کی بنا پر اور اس بنا پر کہ عالمِ قدس کی تجلّیات اس سے پھیلتی ہیں بالکل وہی ہوتا ہے جو آسمان کے فرشتوں کا ہے یہ اپنے علوم وہیں سے حاصل کرتی ہے جہاں سے وہ حاصل کرتے ہیں اور اس معاملے میں کسی کی مقلد نہیں ہوتی۔ ہاں البتہ صاحبِ شریعت نبی کی تائید و موافقت کے لیے چونکہ یہ غیب سے مامور ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کوئی شخص اگر اس تائید و موافقت کو اس نبی کی تقلید کہنا چاہے تو کہہ سکتا ہے۔"

(ص ۳۰ اشراق اگست ۹۳ء)

جواب

زمانۂ جاہلیت میں بھی ایسے لوگ گزرے کہ جو توحید خالص کے قائل تھے اور شرک اور اعمال بد سے مجتنب تھے ان میں سے بعض اس کا اظہار بھی کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ اے رب ہمیں یہ معلوم نہیں کہ آپ کی عبادت کس طرح کریں ؟ سعید بن نوفل بھی ایسے ہی شخص تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ایسے ہی تھے کہ شرک اور تمام بدعملیوں سے دُور تھے اور خالص موحد تھے کیا یہ لوگ ہدایت یافتہ نہ تھے۔ نفس ہدایت اور بعض علوم غیب اُن کو بھی حاصل تھے۔ ہاں دین کی جزوی تفصیلات اور شریعت و قانون کی تفاصیل تو ان کے لیے بھی نبی کی ضرورت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ باتیں اپنے نبی ہی کے ذریعے بتاتے ہیں اس لیے وہ لوگ جو نفس ہدایت پائے ہوئے تھے ان کو حکم ہوتا ہے کہ وہ نبی کی اتباع اور تاکید کریں۔ نفس ہدایت یعنی توحید خالص اور معرفت الٰہیہ میں وہ نبی کے محتاج نہیں ہوتے، البتہ جب نبی آتے ہیں تو ان کو حکم ہوتا ہے کہ وہ نبی کی تائید کریں جس کی ایک شق یہ بھی ہے کہ وہ نبی کی ہر بات کی تصدیق و تائید کریں خواہ نفس ہدایت سے متعلق ہو اور اپنی معرفت اور ہدایت کو نبی کے کہنے کے تابع رکھیں۔ شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عبقات میں اُصولی باتوں سے متعلق بحث کر رہے ہیں۔ شریعت و قانون کی جزوی تفصیلات کے متعلق بات نہیں کر رہے۔ غامدی صاحب اپنی ناقص علمیت کے باعث اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر کیسے کیسے الزام لگا رہے ہیں۔ حالانکہ خود شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ تصریح فرماتے ہیں کہ ایسی ہستی کے علم کا مرتبہ اس علم کے بعد ہے جو وحی کی راہ سے عطا کیا جاتا ہے۔

وذلك لعصمته وكونه مفهما فعلمه يتلوالوحی

جس کا راز ہی ان کی عصمت اور مفہم ہونے کی نعمت ہے جس سے وہ سرفراز ہوتے ہیں گویا ان کے علم کا مرتبہ اس علم کے بعد ہی ہے جو وحی کی راہ سے عطا کیا جاتا ہے۔

غامدی صاحب کا شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے حوالے سے صوفیہ پر ایک اور اعتراض

"یہ ہستی جب زمین پر موجود ہوتی ہے تو حق وہی قرار پاتا ہے جو اس کی زبان سے نکلتا اور اس کے وجود سے صادر ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کی حجت بھی اس کے سامنے، اس کی اپنی حجت کے تابع

ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

و ان الحق یدور معه حیث دار و ذلك لعصمته والتحاقه بالملاء الاعلی فلیس الحق الا ما سطع من صدره فالحق تابع له لا متبوع۔ (عبقہ ۱۱)	اور حق جہاں یہ ہستی گھومتی ہے، اس کے ساتھ ہی گھومتا رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ ہستی ملاء اعلیٰ کے ساتھ شامل اور معصوم ہوتی ہے، چنانچہ حق وہی قرار پاتا ہے جو اس کے سینے سے نمایاں ہوتا ہے پس حق اس ہستی کے تابع ہوتا ہے، وہ حق کے تابع نہیں ہوتی

جواب

اول تو غامدی صاحب نے شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے جو مطلب نکالا ہے وہ ان کی عبارت سے بہت مختلف ہے عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ حق نام ہی اس چیز کا ہے جو اس کے سینے میں چمک اُٹھے" جبکہ غامدی صاحب نے یہ نکالا ہے جو اس کی زبان سے نکلتا ہے اور اس کے وجود سے صادر ہوتا ہے۔ نیز عبارت میں یہ ہے۔" حق اس ہستی کا تابع ہوتا ہے وہ حق کے تابع نہیں ہوتی جبکہ غامدی صاحب نے مطلب یہ نکالا ہے۔ قرآن و حدیث کی حجت بھی اس کے سامنے اس کی اپنی حجت کے تابع ہوتی ہے۔

شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ جو بتانا چاہتے ہیں اس کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ حدیث پڑھیے۔

عن انس و ابن عمر ان عمر قال وافقت ربی فی ثلاث قلت یا رسول اللہ لو اتخذنا من مقام ابراھیم مصلی فنزلت

وقلت یا رسول اللہ یدخل علی نسائك البر والفاجر فلو امرتھن ان یحتجبن فنزلت آیة الحجاب واجتمع نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الغیرة فقلت عسی ربه ان طلقکن ان یبدله ازواجا خیرا منکن فنزلت کذلك (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے سینے میں جو حق کا نور چمکا تھا قرآن کے احکام بھی اسی کے موافق نازل ہوتے۔ چونکہ وہ حق حضرت عمرؓ کے سینے اور دل میں پہلے ظاہر ہوا اور پھر اس کے موافق ایک آیت نازل ہوئی تو اسکو شاہ شہیدؒ نے اس سے تعبیر کیا حق اسکا تابع ہوتا ہے تو کیا غلط کیا؟ غامدی صاحب جو تحریف کر جاتے ہیں اس کا انجام وہ خود سوچ لیں۔

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

قارئین محترم ــــــــ رمضان اور قرآن کی مناسبت سے ہم ان صفحات میں قرآن پاک میں مذکور قدرتِ خداوندی سے متعلق کچھ چیزیں ذکر کریں گے۔ ان چیزوں سے جہاں اللہ تعالیٰ کی عظیم صنعت و کاریگری اور اس کی بے پناہ قدرت و وسعت کا اظہار ہوتا ہے وہیں قرآن مجید کے حسنِ بیان اور طرزِ ادا سے انتہائی کیف و سرور بھی حاصل ہوتا ہے۔

"انسان" اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ایک حسین کرشمہ ہے۔ کائناتِ ارضی و سماوی میں اس سے زیادہ حسین کوئی مخلوق نہیں، خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں چار چیزوں (۱) انجیر (۲) زیتون (۳) طورِ سینا (۴) امن والے شہر یعنی مکّہ معظّمہ) کی قسم کھاکر حسنِ انسانی کا تذکرہ فرمایا ہے۔

حسنِ انسانی کا ایک عجیب واقعہ

علاّمہ قرطبی مالکی رحمہ اللہ (م: ۶۷۱ھ) نے سورۃُ التّین کی تفسیر میں ایک واقعہ نقل فرمایا ہے یہ واقعہ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ حیرت انگیز بھی ہے اور اس سے حسنِ انسانی کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

علاّمہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

"عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی (جو خلیفہ ابوجعفر منصور کے دربار کے مخصوص لوگوں میں سے تھے) اپنی بیوی سے بہت محبّت رکھتے تھے، ایک روز (چاندنی رات میں بیوی کے ساتھ بیٹھے ہوئے) بول اُٹھے "اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا اِنْ لَّمْ تَكُوْنِیْ اَحْسَنَ مِنَ الْقَمَرِ" تم پر تین طلاقیں ہیں اگر تم چاند سے زیادہ حسین نہ ہو۔ یہ سُنتے ہی اُن کی بیوی پردہ میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے

طلاق دے دی، (بات ہنسی دل لگی کی تھی مگر طلاق کا حکم یہی ہے کہ کسی طرح بھی طلاق کا صریح لفظ بیوی کو کہہ دیا جائے تو طلاق پڑ جاتی ہے، خواہ ہنسی دل لگی ہی میں کہا جائے) عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی اور رنج وغم میں گزاری صبح کو خلیفۂ وقت ابوجعفر منصور کے پاس حاضر ہوئے اپنا قصہ سُنایا اور پریشانی کا اظہار کیا، منصور نے شہر کے فقہاء اور اہل فتویٰ کو جمع کر کے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا، سب نے ایک ہی جواب دیا کہ طلاق ہوگئی (کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونے کا کسی انسان کے لیے امکان ہی نہیں) ایک عالم جو حضرت امام ابوحنیفہ رح کے شاگردوں میں سے تھے خاموش بیٹھے رہے منصور نے ان سے پُوچھا مَالَكَ لَا تَتَكَلَّمُ ؟ آپ کیوں خاموش ہیں؟ تب یہ بولے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر یہ آیاتِ کریمہ تلاوت کیں "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ① وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ② وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" ④ (قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون (کے درخت) کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظمہ) کی ہم نے انسان کو بہت خوب صورت سانچے میں ڈھالا ہے) فرمایا: اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا اَحْسَنِ تقویم میں ہونا بیان فرمادیا ہے۔ لہٰذا کوئی شیئ اس سے زیادہ حسین نہیں ہو سکتی، منصور، عیسیٰ بن موسیٰ کی طرف متوجہ ہو کر بولا: انہوں نے جو بات کی ہے وہ بالکل دُرست ہے، تم بیوی کے پاس جاؤ، اور اُن کی بیوی کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے شوہر کی اطاعت کرو نافرمانی سے مت پیش آؤ تمہیں طلاق نہیں ہوئی[1]

قدرتِ خداوندی کے اس کرشمہ کی تخلیق کن زاویوں میں اور کن مدارج سے گزر کر ہوتی ہے یہ چیز بس عقلِ انسانی کو حیران کر دینے والی ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اِن کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

---

[1] الجامع لاحکام القرآن ج ۲۱ ص ۱۱۴

ہم یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ اُنھیں ذکر کر رہے ہیں۔

انسانی تخلیق تین اندھیروں میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا	اس نے تم لوگوں کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اُسی
زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ	سے اُس کا جوڑا بنایا، اور تمہارے (نفع کے) لیے
ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ط يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ	آٹھ نر و مادہ چوپایوں کے پیدا کیے، وہ تم کو ماؤں
اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ	کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت
ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ط: ۳۹ : ۶	پر بناتا ہے اور یہ بنانا تین اندھیروں میں ہوتا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ تین اندھیروں سے مُراد ① شکم اور پیٹ کا اندھیرا ② رحم کا اندھیرا ③ اور مَشِیمَہ یعنی اُس جھلّی کا اندھیرا ہے جس میں بچّہ لپٹا ہُوا ہوتا ہے۔

انسانی تخلیق کے سات مدارج

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے سات مدارج ذکر فرمائے ہیں۔ سب سے پہلے سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ (مٹی کا خلاصہ) دوسرے درجہ میں نُطْفَہ، تیسرے درجہ میں عَلَقَہ (خُون کا لوتھڑا) چوتھے میں مُضْغَہ (گوشت کا ٹکڑا) پانچویں میں عِظَام (یعنی ہڈیاں) چھٹے دَور میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانا، ساتواں دَور تکمیلِ تخلیق کا ہے۔ یعنی رُوح پھونکنا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ	اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا پھر ہم
سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ	نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک محفوظ مقام
جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾	میں رہا، پھر ہم نے اُس نُطفہ کو خُون کا لوتھڑا بنایا
ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً	پھر ہم نے اس خُون کے لوتھڑے کو (گوشت کی)
فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا	بوٹی بنا دیا، پھر ہم نے اُس بوٹی (کے بعض
الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا	اجزاء) کو ہڈیاں بنا دیا، پھر ہم نے اُن ہڈیوں
الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ	پر گوشت چڑھا دیا، پھر ہم نے اُس میں رُوح

اَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ ط ڈال کر اُس کو ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا دیا
فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ سو کیسی شان ہے اللہ کی جو تمام صنّاعوں سے
بڑھ کر ہے۔ (۲۳ : ۱۲ تا ۱۴)

انسان کی مختلف کیفیات اور متعدّد اندھیروں میں تخلیق اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کی دلیل اور ظلمات ثلٰثہ میں پیدا کرنا کمالِ علم کی دلیل ہے۔ اور کلام اللہ میں ان کا نہایت حسین انداز میں بیان ہونا اعجازِ قرآنی کی دلیل ہے۔

شبِ قدر کی تعیین میں ایک عجیب لطیفہ

"تفسیر قرطبی میں اس جگہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اسی آیت سے استدلال کر کے ایک عجیب لطیفہ شبِ قدر کی تعیین میں نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ اکابر صحابہ کے مجمع سے سوال کیا کہ شبِ قدر رمضان کی کونسی تاریخ میں ہے؟ سب نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ کوئی تعیین بیان نہیں کی۔ حضرت ابن عباسؓ ان سب سے چھوٹے تھے اُن سے خطاب فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ امیرالمومنین اللہ تعالیٰ نے آسمان سات پیدا کیے زمینیں سات پیدا کیں، انسان کی تخلیق سات درجات میں فرمائی، انسان کی غذا سات چیزیں بنائیں اس لیے میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ شبِ قدر ستائیسویں شب ہوگی۔ فاروق اعظمؓ نے یہ عجیب استدلال سُن کر اکابر صحابہؓ سے فرمایا: آپ سے وہ بات نہ ہوسکی جو اِس لڑکے نے کی جس کے سر کے بال بھی ابھی مکمّل نہیں ہوئے، یہ حدیث طویل ابن ابی شیبہ کے مُسنَد میں ہے، حضرت ابن عباسؓ نے تخلیق انسان کے سات درجات سے مُراد وہی لیا ہے جو اس آیت (ولقد خلقنا الانسان من سلالۃٍ تا فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ احسن الخالقين) میں ہے اور انسان کی غذا کی سات چیزیں سورۂ عَبَسَ وَتَوَلّٰی کی آیت (فانبتنا فيها حبا و

عنبا وقضبا وزیتونا ونخلا وحدائق غلبا وفاکھۃ وَّابًّا) میں ہیں اس آیت میں آٹھ چیزیں مذکور ہیں جن میں سے پہلی سات انسان کی غذا ہیں اور آخری یعنی اَب یہ جانوروں کی غذا ہے۔"[1]

کھجور کے سات اطوار

جس طرح انسانی تخلیق کے سات مدارج ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک پھل ایسا پیدا فرمایا ہے جس پر پے در پے سات اطوار گزرتے ہیں یہ پھل کھجور ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں جگہ جگہ فرمایا ہے اس پھل پر گزرنے والے سات اطوار درج ذیل ہیں۔ (۱) طَلْعْ (۲) اِغرِیْض (۳) بَلَحْ (۴) زَھْو (۵) بُسْر (۶) رُطَب (۷) تَمَر۔

شیخ احمد الصاوی المالکی رحمہ اللہ (م ۱۲۴۱ھ) آیت کریمہ "اَتُتْرَکُوْنَ فِیْ مَا ھٰھُنَآ اٰمِنِیْنَ ۙ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۙ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُھَا ھَضِیْمٌ ۚ" (۲۶ : ۱۴۶ تا ۱۴۸) کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جائے گا جو یہاں (دُنیا میں) موجود ہیں یعنی باغوں میں اور چشموں میں اور اُن کھجوروں میں جن کے گپھے خوب گوندے ہوئے ہیں ـــــ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

"طلعھا وثمرھا فی اول ما یطلع کنصل السیف فی جوفہ شماریخ القنو وبعدہ الاغریض ویسمٰی خلالا، ثم البلح، ثم الزھو ثم البسر، ثم الرطب، ثم التمر، یجمعھا قولک "طاب زبرت" فاطوار النخیل سبعۃ کاطوار الانسان، ولذا

(آیت کریمہ میں) طَلْعْ سے مراد کھجور کی بالکل ابتدائی حالت کا پھل ہے جیسے تلوار اور چاقو کا پھل ہوتا ہے، کھجور کے اس ابتدائی حالت کے پھل کے اندر کھجوروں کے گپھوں کی کلیاں ہوتی ہیں طَلْعْ کے بعد کا درجہ اِغْرِیْض ہے جسے خلال بھی کہا جاتا ہے، (اس درجہ میں کھجور سفید و تر و تازہ ہوتی ہے) اغریض کے بعد کا درجہ بَلَحْ ہے (اس درجہ میں کھجور معمولی سی پکتی ہے) اس کے بعد کا درجہ زَھْو ہے، (اس درجہ میں کھجور بڑھتی ہے) اس کے بعد کا درجہ بُسْر ہے (گدر کھجور کو بُسْر کہتے ہیں) اس کے بعد کا درجہ

---

[1] الجامع لاحکام القرآن ج ۱۹ ص ۲۲۱ بحوالہ معارف القرآن ج ۸ ص ۳۰۳

وردَ فی الحدیث "اکرموا عمّاتکم النخل" [1]

رُطَبْ ہے (پختہ تازہ کھجور کو رُطَبْ کہتے ہیں) اسکے بعد کا درجہ تَمْرٌ کہلاتا ہے (جب کھجور خشک ہوکر چھوارہ کی شکل اختیار کرلیتی ہے تو اُسے تَمْرٌ کہتے ہیں) یہ ساتوں درجے لفظ "طَابَ زَبَرْتُ" میں جمع ہیں، اس طرح کھجور کے سات اطوار ہوتے جس طرح تخلیق میں انسان کے سات اطوار ہوتے ہیں اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ اپنی عَمَّہ کھجور کا اکرام کرو۔

کھجور کی گٹھلی میں چار چیزیں

کھجور کے متعلق بات چل نکلی ہے تو یہ بھی سُنتے چلیں کہ کھجور کی گٹھلی دیکھنے میں نہایت معمولی سی چیز ہے لیکن اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں ایسی بنائی ہیں جنھیں کسی چیز کے انتہائی قلیل اور معمولی ہونے میں مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ چار چیزیں درج ذیل ہیں، (۱) فَتِیْلٌ (۲) قِطْمِیْرٌ (۳) نَقِیْرٌ (۴) نُفْرُوْقٌ

شیخ احمد الصاوی المالکی کے استاذ مکرم علامہ سلیمان الجمل الشافعی رحؒ (م ۱۲۰۴ھ) ارشاد باری - وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ؕ (۳۵ : ۱۳) اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے ۔ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔

"ومعلومٌ ان فی النواة اربعة اشیاء یضرب به المثل فی القلة، الفتیل وهو ما فی شق النواة والقطمیر وهو اللفافة والنقیر وهو ما فی ظهرها والنفروق وهو ما بین القمع والنواة" [2]

یہ بات معلوم رہنی چاہیے کہ کھجور کی گٹھلی میں چار چیزیں ایسی ہیں جنھیں معمولی اور قلیل ہونے میں مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ (۱) فتیل، کھجور کے شگاف کی باریک بتی (۲) قطمیر، کھجور کی گٹھلی کے اوپر باریک جھلی (۳) نقیر، کھجور کی گٹھلی کی پشت میں باریک نقطہ (۴) نفروق، کھجور کی گٹھلی اور کھجور کے سرے پر جو پیندی سی ہوتی ہے اس کے درمیان معمولی سی چیز۔

---

[1] حاشیۃ الصاوی ج ۳ ص ۲۲۱ [2] حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۴۹۰ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

ان چار چیزوں میں سے پہلی تین چیزوں کا تذکرہ خود قرآن میں موجود ہے، چنانچہ سورۂ نساء آیت ۷۷ میں ارشاد خداوندی ہے۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اور آخرت ہر طرح سے بہتر ہے۔ اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچے اور تم پر تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

سورۂ نساء کی آیت ۱۲۴ میں ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝ اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔ سورۂ فاطر آیت ۱۳ میں ارشاد ہے۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

انسان کی عمر کے چار مراتب

علّامہ علاء الدین علی بن محمد خازنؒ (م ۷۲۵ھ) آیتِ کریمہ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (۱۶ : ۷۰) اور اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا۔ پھر وہی تمہاری جان قبض کرتا ہے اور بعض تم میں وہ ہیں جو ناکارہ عمر تک پہنچائے جاتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی قدرت والے ہیں ـــــ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

" قال بعض العلماء عمر	بعض عُلماء کا کہنا ہے کہ انسان کی عمر کے چار مراتب ہیں
الانسان له اربع مراتب اولها من	پہلا مرتبہ نشو و نما کا ہے (جس میں انسان پھلتا پھولتا ہے)
النشو والنماء وهو من اول	یہ مرتبہ آغازِ عمر سے لیکر تینتیس ۳۳ برس تک کی عمر کے درمیان کا
العمر الى بلوغ ثلث و ثلثين	ہے جو انسان کے انتہائی شباب اور جوانی کا دور ہے۔ دوسرا
سنةً وهو غاية سن الشباب	مرتبہ وقوف کا ہے۔ (یعنی اس مرتبہ میں انسان کے
و بلوغ الاشد، ثم المرتبة	اندر ٹھہراؤ آجاتا ہے نہ وہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے) یہ
الثانية سِنُّ الوقوف و هو من ثلث و	یہ مرتبہ تینتیس ۳۳ سے لے کر چالیس برس تک کی
ثلثين سنة الى اربعين سنة وهو	عمر کے درمیان کا ہے جو انسان کی جسمانی قوت کی
غاية القوة وكمال العقل، ثم المرتبة	انتہا اور انسانی عقل کے کمال کا دور ہے، تیسرا

الثالثة سن الكهولة وهو من الاربعين الى الستين وهذه المرتبة يشرع الانسان فى النقص لكنه يكون نقصا خفيا لا يظهر ثم المرتبة (الرابعة) سِنُّ الشيخوخة والانحطاط من الستين الى آخر العمر و فيها يتبين النقص ويكون الهرم والخرف"[1]

مرتبہ کُہُولَت کا ہے، یہ مرتبہ چالیس سے لے کر ساٹھ برس تک کی عمر کے درمیان کا ہے۔ اس مرتبہ میں انسان گھٹنا شروع ہو جاتا ہے تاہم یہ گھٹنا اتنا مخفی ہوتا ہے کہ اس کا پتہ نہیں چلتا۔ چوتھا مرتبہ شیخوخۃ اور انحطاط (یعنی بڑھاپے اور زوال) کا ہے، یہ یہ مرتبہ ساٹھ سے لے کر زندگی کی اخیر تک کے درمیان کا ہے۔ اس میں انسان کا گھٹنا بالکل عیاں ہو جاتا ہے اور انسان انتہائی بُوڑھا ہو کر سٹھیا جاتا ہے۔

---

[1] لباب التاویل فی معانی التنزیل، المعروف بہ تفسیر الخازن ج ۴ صـ ۸۴

❁*❁

عجیب خبر

خنزیر کھانے والی کو چُوہا کھا کر اُبکائیاں آنے لگیں!!

لاہور (جنگ فارن ڈیسک) برطانیہ کی ملکہ الزبتھ ایک تقریب میں روسٹ چُوہا کھا گئیں۔ ویکلی ورلڈ نیوز کے مطابق ملکہ کو یہ ڈش اتنی پسند آئی کہ اُنھوں نے اسے نہ صرف رغبت کے ساتھ کھایا بلکہ اپنی سیکرٹری سے کہا کہ وہ پتہ کریں کہ یہ کیا ڈش ہے اور کس طرح تیار ہوتی ہے جریدے کے مطابق شاید ملکہ اس ڈش کو اپنے محل میں تیار کروانا چاہتی تھیں، مگر جب ان کی سیکرٹری نے معلومات حاصل کرنے کے بعد انہیں بتایا کہ یہ تو روسٹ چُوہا تھا تو ملکہ ابکائیاں لیتے ہوئے فوراً باتھ روم چلی گئیں جہاں وہ دس منٹ تک رہیں اور اگلے دو روز اُنھوں نے کھانا نہیں کھایا اخبار کے مطابق یہ سب کچھ سرکاری تقریب میں ہوا۔ (روزنامہ جنگ ۱۹ شعبان ۱۴۱۹ھ ۔ ۹ دسمبر ۱۹۹۸ء صـ ۱ کالم ۳)

اخبار الجامعہ

محمد عابد، متعلم جامعہ مدنیہ

- ۵ شعبان المعظّم ۱۴۱۹ھ ۲۶ نومبر ۱۹۹۸ء کو کراچی سے فاروق پراچہ صاحب تشریف لائے آپ نے جامعہ کی تعمیرات دیکھیں اور اس پر خوشی و مسرّت کا اظہار فرمایا۔
- ۱۵ شعبان المعظّم ۱۴۱۹ھ کو حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہم العالی ظہر بعد تشریف لائے آپ نے کچھ دیر جامعہ میں قیام فرمایا۔ آپ سے حضرت مہتمم صاحب اور نائب مہتمم صاحب نے ملاقات کی، آپ خصوصی دُعا کے بعد تشریف لے گئے۔
- ۱۷ شعبان المعظّم کو گوجرانوالہ سے جناب حاجی تاج دین صاحب تشریف لائے، اور ایک دن جامعہ میں قیام فرمایا، اسی روز کراچی سے جناب آفتاب صاحب تشریف لائے۔
- ۲۳ شعبان المعظّم کو بہاول نگر سے مولانا عبدالستار صاحب خلیفہ مجاز حضرت مولانا سیّد محمود میاں صاحب مدظلہم تشریف لائے۔
- اسی روز ژوب بلوچستان سے جامعہ مدنیہ کے پُرانے فاضل حضرت مولانا قاسم شاہ صاحب مدظلہم تشریف لائے اور مہتمم صاحب اور نائب مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔
- ۲۷ شعبان المعظّم کو حضرت نائب مہتمم صاحب جناب حاجی رشید صاحب کی والدہ کی تعزیت کے سلسلے میں گکھڑ تشریف لے گئے اور اسی روز شام کو واپس تشریف لے آئے۔
- ۸ رمضان المبارک بروز پیر حضرت مہتمم صاحب عمرہ کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔

ضروری اعلان

لاہور اور قُرب وجوار میں امامت خطابت اور قابل اساتذہ کے خواہشمند ادارے فوری رابطہ فرمائیں۔

سیّد محمود میاں صاحب
جامعہ مدنیہ لاہور

فون: ۷۷۰۰۵۰۰ - ۳۲۷۳ - ۷۷۲۴ - فیکس: ۷۷۲۶۷۰۲

بزمِ قارئین

جناب سید محمود میاں

جامعہ مدنیہ لاہور

سلام مسنون

دَرک اور نطق دو ایسی خصوصی صفات ہیں جنھوں نے انسان کو دیگر جملہ ذی رُوح مخلوق سے ممیز کرتے ہوئے اسے احسن مخلوق کے بلند ترین رتبہ پر متمکن کیا۔ انسان انہی دو صفات کی بدولت اپنے ماحولیات سے متأثر ہوتے ہوئے اُن کی قبولیت یا تردید کی طرف پیش قدمی کرتا ہے۔ پھر ان تأثرات کو اپنی قلبی کیفیات اور ذہنی تغیرات کے زیرِ اثر انہیں دوسروں تک پہنچانے کی سعی کرتا ہے۔ اس مقصد میں کامیابی کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ منجملہ اس کے اندازِ بیان اور ذاتی خلوص کی اہمیت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ذاتی خلوص تو ایک ایسی غیر مرئی مقناطیسی جاذبیت کا سحر انگیز مظہر ہوتی ہے جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ یہ دوسروں کے قلب و رُوح تک سرایت کرتی ہوئی اپنے اثرات میں مداومت اور ابدیت پیدا کرتی ہے اسکی گواہی میں بندہ خود کو پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہے۔ کم و بیش پچاس سالہ مذموم عادت ریش تراشی کے وطیرہ کو تیاگنے پر مجبور ہوگیا۔

قتیل سے متعلق یہ مکالمہ "بلے موئے می تراشم۔ ولے دلے کسے رانمی خراشم۔ نہ آغائی شما دلِ پیغامبرؐ را می خراشی" کہ پانی پانی کرگئی مجھ کو . . . . ایک والد کی حیثیت سے اولاد کی طرف سے بعض اوقات ایک ادنیٰ سی سرِ پیچی بعض اوقات ناپسندیدگی کے ابدی اثرات پیدا کرنے کا موجب بن جاتی ہے۔ کتنی کھٹوتا ہے کہ پیغمبر کے دِل کو دکھایا جاتے خدا معاف کرے بندہ نے اسی روز سے ریش تراشی کا مذموم فعل ترک کر دیا ہے۔ بندہ کے لیے دُعا فرمائیں۔ خدائے متعال آپ کے ہاتھوں ایسے شذرات تخلیق کرواتا رہے۔ آمین ثم آمین۔ والسلام

(پروفیسر ڈاکٹر) احقر محمد فاضل گھمن ۶ رشاہ جمال لاہور